ماہ نامہ

نقوشِ راہ

June 2021

نقوشِ راہ دکھاتے چلو زمانے کو
قدم قدم پر مسافر پریشان بیٹھے ہیں

القدس لنا۔
قدس ہمارا ہے۔

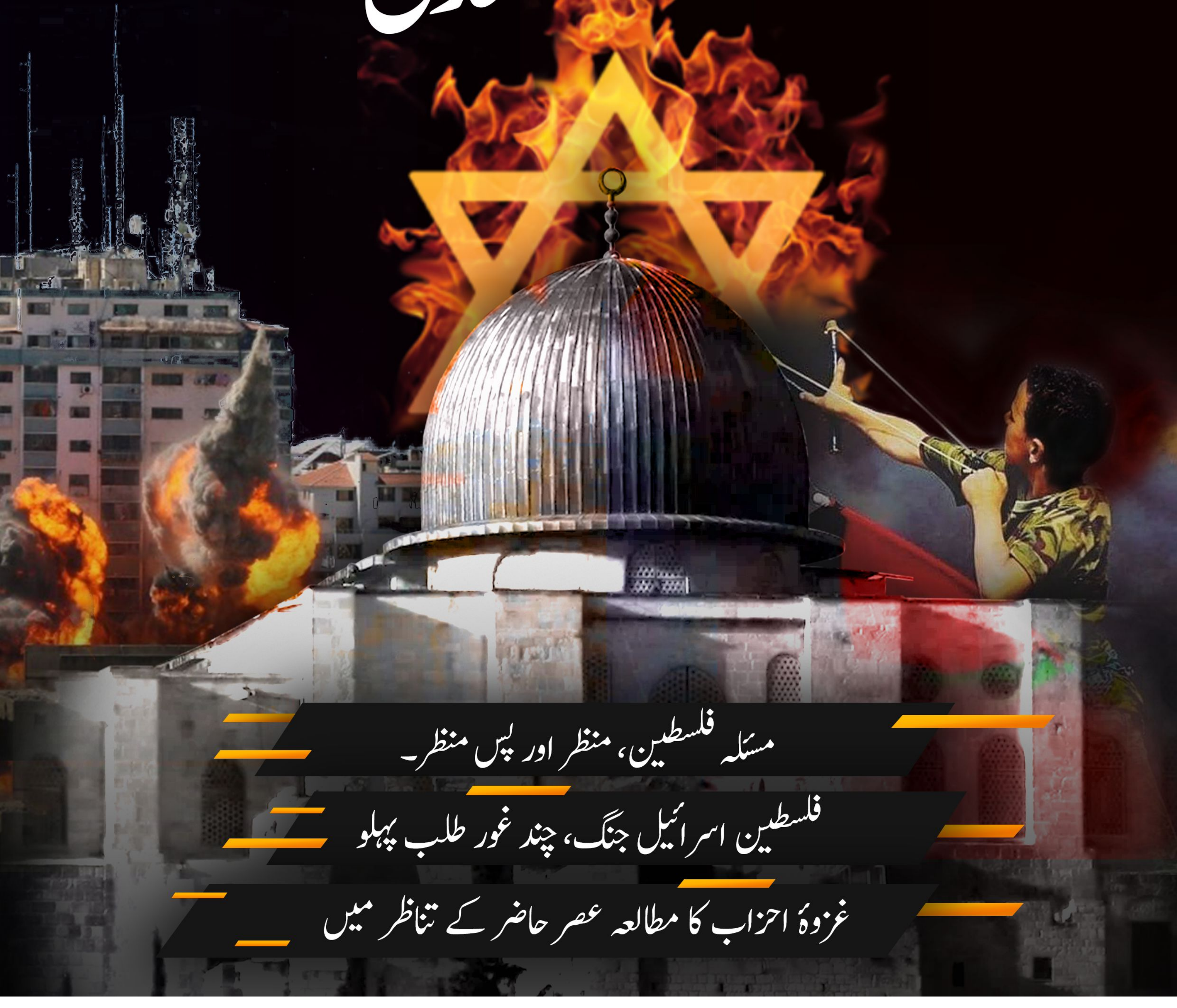

مسئلہ فلسطین، منظر اور پس منظر۔

فلسطین اسرائیل جنگ، چند غور طلب پہلو

غزوۂ احزاب کا مطالعہ عصر حاضر کے تناظر میں

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ لَعَدُوِّهِمْ قَاهِرِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ إِلَّا مَا أَصَابَهُمْ مِنْ لَأْوَاءَ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذَلِكَ۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کا ایک گروہ قیامت تک دین پر ثابت قدم اور دشمن پر غالب رہے گا، ان سے اختلاف کرنے والے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، سوائے اس کے کہ انہیں کچھ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے گا اور وہ اسی حالت پر ہوں گے۔

احمد و طبرانی

ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے۔(القرآن)

ماہنامہ

نقوشِ راہ

اسلامک یوتھ فیڈریشن (IYF) کا ترجمان

جلد:04 شمارہ:3

جون 2021ء، شوال المکرم/ذی القعدہ ۱۴۴۲ھ

چیف ایڈیٹر
معاذ احمد جاوید

ایڈیٹر
ڈاکٹر محمد مبشر

معاون ایڈیٹر
اُسامہ عظیم فلاحی

مجلس ادارت
❁ پرویز نادر ❁ فیض الرحمٰن
❁ حذیفہ احمد جاوید
❁ صابر محفوظ فلاحی

سرکولیشن منیجر
پرویز نادر

زرِ تعاون

فی شمارہ:-/20

سالانہ:-/220

Current A/c Name: Nukush E Rah
A/c No : 9650 2011 0000 482
Bank of India - Akola Branch
IFSC : BKID0009650

فہرست مضامین

اداریہ	معاذ احمد جاوید	04
درسِ قرآن	حافظ عبید الرحمٰن فلاحی	05
درسِ حدیث	اسامہ احسن صدیقی	07
مسئلہ فلسطین، منظر اور پس منظر	پرویز نادر	09
اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار	خلیل احمد حامدیؒ	13
شیخ جراح اور اسرائیل کا توسیع پسند منصوبہ	ڈاکٹر محمد مبشر خان	17
فلسطین اسرائیل جنگ، چند غور طلب پہلو	محمد معاویہ شریف رحمانی	19
ہندوستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی	مختار احمد مکی	23
غزوۂ احزاب کا مطالعہ عصر حاضر کے تناظر میں	ابو القیس اصلاحی	27
زندگی اور موت کا اسلامی تصوّر	حذیفہ احمد جاوید	30
رسولؐ کی دشمنوں کے خلاف بد دعائیں	منہاج اسعد	32
ہجومی تشدد، اتفاق یا پھر منصوبہ بند سازش؟	مرزا عادل بیگ پوسد	35
گوشۂ خواتین: ٹوٹتا خاندان اور ماں کی ذمہ داری	سفانہ کمال فلاحی	38
گوشۂ اطفال: ڈرکیسا؟	ابو الفیض اعظمی	40
اقبالیات: عالم برزخ	شیر خالد	42

Printer, Publisher and Owned by Shaikh Nisar Shaikh Chand Printerd at Super Printing Press, Telipur Chowk, Akola, Published at 1st Floor, Opposite Basera Aprartment, Subhash Chowk, Akola.-444001
Editor: Shaikh Nisar Shaikh Chand

اداریہ

موت ایک اٹل حقیقت ہے۔ اس امر کا مشاہدہ ہم ہر روز کرتے ہیں کہ ہم میں کا کوئی عزیز ہم سے رخصت ہو جاتا ہے۔ انسان اس بات پر کتنا ہی افسوس کرے لیکن موت کی جاں کنی اچانک اس کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، لیکن زندگی اور اس کی چکاچوند انسان کو اس حقیقت سے غافل کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بار بار اس حقیقت کی طرف نہ صرف دھیان دلایا ہے بلکہ اس کے نزدیک موت وحیات کی حیثیت کیا ہے اس کی تفصیلی وضاحت کر دی ہے تاکہ ہم کسی شک وریب کا شکار نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ خالق ارض وسماء ہے اور اپنی خلق کی ہوئی ہر شئے کی فطرت سے بخوبی واقف بھی ہے، چنانچہ قرآن بیان کرتا ہے کہ ''انسان پر جب کوئی آفت آتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع کر کے اسے پکارتا ہے پھر جب اس کا رب اسے اپنی نعمت سے نواز دیتا ہے تو وہ اسے بھول جاتا ہے جس پر وہ پہلے پکار رہا تھا۔۔'' (الزمر: ۸) یعنی حضرت انسان میں بھولنے کی ایسی بیماری ہے کہ سخت ترین آزمائش کو اور عزیز ترین شخص کی رحلت کو بھی وہ کچھ دنوں میں ہی فراموش کر دیتا ہے اور دنیا کی رعنائیوں میں مگن ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دوبارہ اللہ تعالیٰ کی جانب اس کو یاد دہانی کرائی جاتی ہے۔ کامیاب ہے وہ شخص جس نے ان تنبیہات کو پکڑ لیا اور اپنی اصلاح کی فکر میں لگ گیا۔ رسولؐ اللہ نے ایک موقع پر اپنے اصحاب کو ہدایت فرماتے ہوئے کہا کہ ''اگر تم لوگ لذتوں کو توڑنے والی موت کو زیادہ یاد کرو، تو وہ تمہیں اس غفلت میں مبتلا نہ ہونے دے۔'' (الترمذی)

موت کے متعلق ہمارا نظریہ ہمارے رویوں پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ موت کے متعلق دعا کرنا یا جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے، چنانچہ رسولؐ اللہ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھا کرتے تھے اور فقہاء کرام کے نزدیک خودکشی گناہ کبیرہ ہے۔ لیکن دوسری جانب موت کا ڈر اور اس سے کراہیت برتنے کو ایک بیماری سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ بیماری امت محمدیہ کو ایسی پستی میں گرا دے گی کہ اس کی حیثیت جھاگ کی مانند ہو جائے گی حالانکہ اس وقت اس کی تعداد کچھ کم نہ ہوگی۔

کووڈ۔ ۱۹ کی دوسری لہر ماہرین کی امید سے کہیں زیادہ تند ثابت ہوئی، نتیجتاً پچھلے سال کے مقابلہ میں اس سال اموات کی تعداد کافی زیادہ رہی۔ مرنے والوں کے علاوہ ایک بڑی اکثریت کے اوپر اس لہر کے قہر سے موت کا ایسا خوف طاری ہوا جو اب بھی باقی ہے۔ شرح اموات میں بڑھوتری کے ساتھ آکسیجن کی کمی، دواؤں کی کمیابی اور فرضی دواؤں کی بہتات نے ماحول کو مزید پیچیدہ بنا دیا، اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مریضوں کی صحت یابی کی امید کم ہی رہ گئی تھی۔ وہ مریض جن کو کوئی symptoms نہیں تھے، ان سے بھی رشتہ داروں نے دوری برتی نتیجتاً ان میں بہت سے بیمار اور ہلاک ہو گئے۔ انسان تکلیف اور اذیت میں اپنے جیسے انسانوں کے سہارے کا خواہاں ہوتا ہے۔ ایسے میں اس کو اکیلے چھوڑ دینا، شدید ذہنی تناؤ کا باعث بن سکتا ہے۔ ان حالات میں مریضوں کی کفالت اور میت کی تکفین وتدفین سے گریز کا ہمارا رویہ بتاتا ہے کہ ہم موت کے خوف کے مرض میں کس درجہ ملوث ہیں۔ اگر وقت رہتے ہم اس کی اصلاح کر لیتے تو ہو سکتا تھا کہ اموات کی شرح میں کچھ کمی آتی۔

آزمائش کی اس گھڑی میں جہاں پر ہم نے حقوق العباد سے بیزاری دکھائی وہیں حقوق اللہ سے بھی بے اعتنائی برتی۔ روایات میں آتا ہے کہ مشکل گھڑی میں رسولؐ اللہ مسجد کی طرف لپکتے تھے، اور ہم ہیں کہ مسجد پر قفل چڑھا کر بیٹھ گئے۔ وسائل کے فقدان کے باوجود اگر ہم اپنے پورے ذہن ودل سے مالک ارض وسماء کی جانب متوجہ ہوتے تو وہ حالات کو پلٹ دیتا لیکن مادیت کے اس طوفان نے ہمارے ذہن میں ایسی کثافتیں بھر دی ہیں کہ ہم روز بروز بدلنے والی میڈیکل سائنس کو خدا سے بالاتر شئے سمجھنے لگے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اب تک اپنے رویہ سے ہم نے اس آزمائش میں ناکامی ونامرادی ہی جمع کی ہے۔ غور کیا جائے تو ہمارا رویہ شدید احتساب واصلاح کا طالب ہے۔

دوسری جانب غزہ کے مجاہدین کی بستی الگ ہی منظر پیش کر رہی ہے۔ رپورٹس کے مطابق حالیہ جنگ میں میزائلوں کی بارش اور اس کے نتیجہ میں تباہ شدہ عمارتوں کے نیچے دب کر بچوں اور عورتوں سمیت سیکڑوں لوگ ہلاک اور ہزاروں زخمی ہوئے۔ پرہول ماحول اور اعصاب شکن مناظر کا یہ سلسلہ گیارہ دن تک جاری رہا۔ اس پورے عرصہ میں موت اہل غزہ کے سامنے باہیں پھیلائے کھڑی تھی۔ لیکن یہ مجاہد صفت لوگ جالوت کے پیروکاروں سے مثل داؤد نبرد آزما رہے۔ ان کو معلوم ہے کہ جلیل مقاصد کا دم بھرنے والے وسائل کی قلت وکثرت کی فکر نہیں کرتے۔ ہو سکتا ہے کہ اعداد وشمار کے جادوگران کے اس عمل کو خودکشی گردانیں۔ لیکن ان کو کیا معلوم کہ اس جیسے گروہ کے متعلق ہی اللہ رب العزت کا وعدہ ہے کہ وہ قلیل ہو کر بھی غالب آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔'' (البقرۃ: ۲۴۹) مغرب کے غیر جانب دار تجزیہ کار بھی یہ قبول کرتے نظر آرہے ہیں کہ حالیہ جنگ میں اسرائیل کو ناکوں چنے چبانے پڑے۔ اہل غزہ کی اسی ثابت قدمی نے عربوں کی نفاق زدہ قیادت اور امریکہ بہادر سمیت تمام دجالی آلہ کاروں کے بیچ ہونے والی 'ڈیل آف دی سنچری' کو کھٹائی میں ڈال دیا ہے، کیونکہ 'ڈیل آف دی سنچری' کے نام سے کیا جانے والا یہ سودا صرف قبلۂ اول سے ہی دست برداری کا نہیں بلکہ تمام شعائر اسلامی یہاں تک کہ دین وایمان کو بھی چند دینار ودرہم کے عوض گروی رکھ دینے کا سودا ہے۔

عقل حیران ہے کہ جوانان غزہ کی طاقت کا سرچشمہ کہاں ہے؟ قرآن اس بھید کو کھولتا ہے کہ ''جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو، نہ غم کرو اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔'' (فصلت: ۳۰) یہی وہ وعدہ ہے جس پر یقین رکھنے والی مائیں اپنے شہید بچوں، بیوائیں اپنے شوہروں اور بوڑھے باپ اپنے جوان بیٹوں کو خوشی خوشی الوداع کرتے نظر آتے ہیں۔

یہ ہیں دو متضاد رویے۔ جو دنیا وآخرت اور موت وحیات سے متعلق نظریات کے فرق سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ہمارے اور ان کے رویے کا فرق اس کی تازہ مثال ہے۔ ہمارے رویے کی بروقت اصلاح نہ کی گئی ہوتی تو اس کے نتیجہ میں مساجد کی ویرانی اور نماز باجماعت کی ہیئت تبدیل ہونے تک کا خدشہ تھا۔ جب کہ وہ لوگ مسجد اقصیٰ کی حفاظت کے خاطر غاصبین کے آگے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر کھڑے ہوئے ہیں اور اپنے رب سے دعا گو ہیں ''مالک! ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولیٰ ہے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔'' اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں میں تاثیر پیدا کرے اور ان کے پیغام کو امت میں عام کر دے، آمین۔

موج خوں سر سے گزر ہی کیوں نہ جائے
آستان یار سے اٹھ جائیں کیا

معاذ احمد جاوید

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

لَنۡ يَّضُرُّوۡكُمۡ اِلَّاۤ اَذًى‌ؕ وَاِنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ يُوَلُّوۡكُمُ الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا يُنۡصَرُوۡنَ(۱۱۱) ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ اَيۡنَ مَا ثُقِفُوۡۤا اِلَّا بِحَبۡلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبۡلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡمَسۡكَنَةُ‌ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقۡتُلُوۡنَ الۡاَنۡۢبِيَآءَ بِغَيۡرِ حَقٍّ‌ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ(۱۱۲) (آل عمران)

ترجمہ: وہ (یہود) تمہیں ستانے کے سوا اور زیادہ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے، اگر لڑائی کا موقع آجائے تو پیٹھ موڑ لیں گے، پھر ایسے بے بس ہوں گے کہ کہیں سے ان کو مدد نہ ملے گی، ان پر ہر جگہ ذلت کی مار پڑی الا یہ کہ اللہ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں، وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے اور ان پر فقیری ڈال دی گئی۔ یہ اس لیے کہ وہ لوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے تھے اور بے وجہ انبیاء کو قتل کرتے تھے یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں کا اور زیادتیوں کا۔

پس منظر:

درج بالا آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خیر امت کا تاج پہنایا ہے اور انہیں انکی منصبی ذمہ داری سے آگاہ کیا ہے اور یہ ذمہ داری امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ہے۔ یہ ذمہ داری پہلے یہود کو دی گئی تھی لیکن انکے جرائم کی وجہ سے ان سے یہ نعمت چھین لی گئی۔ اس نعمت کے چھن جانے پر توبہ کے بجائے یہ امت مسلمہ کے ابدی دشمن بن گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انکی صفات کو قرآن میں کھول کھول کر بیان کیا ہے اور امت کو یہود سے ہوشیار رہنے کی تلقین کی۔

درج بالا آیات میں مسلمانوں کے سلسلے میں یہود کی نفسیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی محبوب قوم تھی، اللہ نے ان کو ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا تھا، طرح طرح کے انعامات و اعزازات کی بارش ان پر کی لیکن انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی ہمیشہ مخالفت کی، اللہ کی کتاب میں تحریف کی، سر برآوردہ افراد کے لیے کچھ اور حکم، کمزور انسانوں کے لیے کچھ اور حکم ایجاد کیا، انبیاء کو قتل کیا۔ اللہ نے ان کو بہت مہلت دی تاکہ وہ راست پر آجائیں لیکن جب ان کا معاملہ ہٹ دھرمی والا ہو گیا تو یہ غضب الٰہی کے مستحق ہوئے اور دنیا کے مختلف گوشوں میں ان کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

لَنۡ يَّضُرُّوۡكُمۡ اِلَّاۤ اَذًى‌ؕ وَاِنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ يُوَلُّوۡكُمُ الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا يُنۡصَرُوۡنَ

اس آیت میں اہل ایمان کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہودیوں کی جتھہ بندی، ان کی عظیم طاقت وقوت سے ڈرنے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تم کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے، زیادہ سے زیادہ یہ تم کو پریشان کر سکتے ہیں اور اس میں بھی صبر واستقامت اختیار کرنے پر اہل ایمان کے لیے خیر ہے، ان کے اندر اتنی ہمت وقوت نہیں ہے کہ یہ تمہاری بیخ کنی کر پائیں۔ اللہ تعالیٰ سورہ حشر میں ان کی کمزور جتھہ بندی اور بزدلی کے بارے میں فرماتا ہے کہ

”لَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ جَمِيۡعًا اِلَّا فِىۡ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ‌ؕ بَاۡسُهُمۡ بَيۡنَهُمۡ شَدِيۡدٌ‌ ؕ تَحۡسَبُهُمۡ جَمِيۡعًا وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰى“ (الحشر: ۱۴)

”یہ سب مل کر بھی تم سے لڑ نہیں سکتے، ہاں یہ اور بات ہے کہ قلعہ بند مقامات میں ہوں یا دیواروں کی آڑ میں، ان کی لڑائی آپس میں بہت سخت ہے، آپ انھیں متحد سمجھ رہے ہیں لیکن ان کے دل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔“

اس آیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ ایک بزدل قوم ہے، جب بھی یہ حملہ کریں گے تو چھپنے کا سہارا لے کر کریں گے کبھی آمنے سامنے کی جنگ کی

ان کے اندر ہمت نہیں ہوگی ۔موجودہ زمانے میں بھی اسرائیل اپنے ائر ڈیفنس سسٹم کی مدد سے ہی اپنے آپ کو بچاتے ہوئے نظر آرہا ہے جو ان کے پورے اسرائیلی حصے کو cover کرتا ہے ۔اس کا مقابلہ ان لوگوں سے ہے جن کے پاس ڈھنگ کے ہتھیار بھی نہیں ہیں جن سے وہ برابری کا مقابلہ کرسکیں ۔آیت کے دوسرے ٹکڑے سے واضح ہوتا ہے کہ یہودیوں کی جو جماعت دیکھنے میں بظاہر متحد اور منظم نظر آتی ہے وہ حقیقت میں اندر سے کھوکھلے ہیں لہٰذا ہمیں ان کی جتھہ بندی سے لرزاں و ترساں ہونے کی ضرورت نہیں ہے ۔''وَإِن يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ''

اس آیت میں یہود کی نفسیات کو بتایا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے اندر موت کا خوف بہت زیادہ ہے ۔سورۃ جمعہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے موت کے شدید خوف کے بارے میں فرمایا ہے کہ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ (الجمعة:٦) ''یہ کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو انھوں نے آگے بھیج رکھا ہے ۔''

جب بھی ان کا مقابلہ خالص اسلامی طاقتوں سے ہوگا تو ان کو شکست سے دوچار ہونا پڑے گا جیسے اللہ کے رسول اور صحابہ کرام کے زمانے میں ان کو شکست ہوئی تھی ۔اس کے بعد اخوان المسلمین کے مجاہدین اور جو لوگ ان کے ساتھ شریک تھے ان لوگوں نے بھی اسرائیل کو شکست سے دوچار کیا ۔جب اسرائیل سمٹتا جارہا تھا تب امریکہ اپنے دوست کو بچانے کے لیے کود پڑا اور پھر جنگ بندی کا اعلان کرایا گیا ۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ خالص اہل ایمان کے سامنے ہمیشہ شکست سے دوچار ہوں گے ۔موجودہ وقت میں اگر دیکھا جائے تو یہود اہل ایمان کے مقابلے میں بہت ہی زیادہ مضبوط اور طاقت ور ہیں جب کہ اہل فلسطین مادی اور جنگی لحاظ سے کافی زیادہ کمزور ہیں پھر بھی اسرائیل ان کا صفایا کرنے سے قاصر ہے ۔ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۔۔۔الخ

یہود کی اگر ہم تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو انھوں نے ہمیشہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے جس کی وجہ سے اللہ نے ان کو رسوا کیا ۔بخت نصر نے اپنے زمانے میں یہودیوں کا قلع قمع کیا ہیکل سلیمانی کو مسمار کیا اور بہت سے یہودیوں کو قیدی بنا کر بابل لے گیا جہاں وہ ذلت و پستی کی زندگی گزارتے رہے ۔

دوسری عالمی جنگ کے موقع پر ہٹلر نے تقریباً ٦٠ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا اور اسی طرح دنیا میں دوسرے مقامات پر یہ تشدد کا نشانہ بنے ۔یہود اپنے دم خم پر باقی رہنے والی قوم نہیں ہے ۔یہود کے ذلت و پستی سے بچنے کے دو اسباب ہیں:

١۔اللہ کی طرف لوٹ آئیں یعنی اسلام قبول کرلیں یا اسلامی حکومت سے عہد و پیمان کرلیں ۔

٢۔ان کو لوگوں کی مدد حاصل ہو ۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحب تدبر القرآن لکھتے ہیں: ''الا بحبل من اللہ و حبل من الناس'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ''اگر یہ کہیں قائم ہیں تو اپنی سطوت و غیرت کے اعتماد پر نہیں بلکہ یا تو اللہ والوں کے کسی معاہدے نے ان کو امان دے رکھی ہے یا اپنے پاس پڑوس کے قبائل سے انھوں نے کسی قسم کا سہارا حاصل کیا ہے ۔یہ سہارا وقتی اور عارضی ہے ۔اس زمانے میں یہود کی نام نہاد سلطنت اسرائیل بھی اسی حکم میں شامل ہے ۔وہ بھی درحقیقت اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ بحبل من الناس امریکہ اور انگلستان کے سہارے قائم ہے جس دن یہ سہارا ختم ہوا اس قوم کو دریا برد ہونے سے کوئی بچانے والا نہیں ۔''(تدبر القرآن جلد ٢ ص ١٦١)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہود خود کے سہارے نہیں بلکہ دوسروں کے سہارے اپنی طاقت کو کمزور مسلمانوں پر آزمارہے ہیں اور یہود کو بھی اس بات کا یقین ہے کہ ہماری طاقت دوسروں کے سہارے ہے ۔کچھ دنوں پہلے فلسطین اور اسرائیل جنگ میں اسرائیل کے صدر نے اپنے Twitter Account سے ان ممالک کا شکریہ ادا کیا جو اسرائیل کے ساتھ کھڑے تھے ۔

ذلت و پستی کے اسباب

ان کی ذلت و پستی کے اسباب یہ ہیں کہ انھوں نے اللہ کے حکموں کی خلاف ورزی کی، اہل حق کو دبانے کی کوشش میں پیش پیش رہے، حق کو جاننے کے بعد حق کا انکار کیا، انبیاء کرام جو ان کو حق کی طرف بلاتے تھے ان کو اپنا خیر خواہ اور ہمدرد سمجھنے کے بجائے ان کو تکلیف سے دوچار کیا یہاں تک کہ انبیاء کو قتل کرنے میں انھوں نے شرم محسوس نہیں کی جس کی بدولت اللہ نے ان کو رسوا کیا ۔

●●●

اسامہ احسن صدیقی

﴿درس حدیث﴾

یہاں ہر اک ناخدا نما ہے مگر کوئی ناخدا نہیں ہے

''اذَا صارَ النَّاسُ فِي فُسْطَاطَيْنِ، فُسطاطُ ایمانٍ لاَ نِفَاقَ فِيهِ ، فُسطاطُ نِفاقٍ لاَایمانَ فیهِ ، فِإذَا کانَ ذاکُمْ فانْتَظِرُوا الدَّجَّالَ مِنْ یَوْمِهِ أوْ غَدِهِ''

ترجمہ: نبیؐ کا ارشاد ہے: ایک وقت آئے گا جب لوگ دو خیموں میں تقسیم ہو جائیں گے، ایک خیمہ ایمان کا ہو گا جس میں نفاق بالکل نہ ہو گا اور دوسرا خیمہ نفاق کا ہو گا جس میں ایمان بالکل نہ ہو گا تو جب تمہارے سامنے وہ وقت آ جائے تو دجال کا انتظار کرو کہ وہ آج نکلے یا کل۔

(ابو داؤد، جلد ۴، ص ۹۴۔ مستدرک، جلد ۴، ص ۵۱۳، کتاب الفتن نعیم ابن حماد)

دنیا کے حالیہ منظر نامے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا جائے تو نبی پاکؐ کی وہ پیشن گوئی سچ ثابت ہوتی دکھائی دیتی ہے جس میں آپؐ نے اہل ایمان اور منافق کے دو الگ خیموں میں تقسیم ہو جانے کی خبر دی تھی۔

بیت المقدس پر اسرائیلی تسلط، موقع بموقع اسے نقصان پہنچایا جانا، فلسطین میں یہودیوں کی ناجائز آباد کاری اور اصل باشندوں کو جلا وطن کرنا، ان تمام چیزوں پر امت کے حکمرانوں کی نہ صرف مجرمانہ خاموشی بلکہ تائید دراصل اس حدیث کی کھلی تشریح ہے۔ پچھلے دنوں جو کچھ ہوا اور آگے جو ہونے والا ہے یہ درحقیقت وہ خط امتیاز ہے جہاں سے اہل ایمان اور امت کے اندر موجود منافقین دو الگ الگ خیموں میں تقسیم ہو جائیں گے اور رب العالمین کا یہ اصول ہے کہ جب وہ اہل ایمان کو دنیا و آخرت میں سرخروئی عطا کرنا چاہتا ہے تو ایسے مواقع ضرور لاتا ہے، اگر ایسے مواقع نہ آئیں تو اصل معرکے کے وقت یہ اندر کے منافقین شکست کا سبب بنتے ہیں۔ اور چونکہ امت مسلمہ اس دور میں داخل ہو چکی ہے کہ اب یہاں سے کوئی صبح طلوع ہو گی تو وہ (انشاءاللہ) اسلام کی صبح ہو گی اس لیے ضروری تھا کہ ایسے خط امتیاز کھینچے جائیں جن سے دو فریق بالکل الگ الگ خیموں میں تقسیم ہو جائیں، فتنوں کے اس دور اور آزمائشوں کی ان گھڑیوں میں امت کے حکمراں طبقے کا کیا موقف ہو گا درج ذیل حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔

''عن أبی بکرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لا تقوم الساعة حتی یسوُدُ کلَّ قومٍ منافقوهم'' (المعجم الاوسط، ج ۴، ص ۳۵۵)

''حضرت ابی بکرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک کہ ہر قوم کے حکمراں ان میں کے منافق نہ بن جائیں۔''

یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ فتنوں کے دور میں امت کے حکمرانوں کا عمومی مزاج کیا ہو گا۔ لہٰذا حق و باطل کی اس کشمکش میں ایسے لوگوں سے کسی طرح کی امید رکھنا دراصل اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔

فی زمانہ امت میں کوئی ایسا حکمراں نظر نہیں آتا جو اللہ کے دین کی خاطر کفر سے اعلان برأت کرے بلکہ اس کے برعکس ایسے بے شمار ہیں جو اگر اللہ کے ایک دشمن کو دشمن سمجھتے ہیں تو دوسری طرف دوستی کی پینگیں بھی بڑھاتے ہیں اور ان سے نفع و فائدے کی آس لگاتے ہیں، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈیڑھ ہزار سال قبل ہی باخبر کیا تھا کہ خبردار! اسلام اور مسلمانوں کے حق میں ان سے کسی طرح کی امید مت رکھنا کیوں کہ یہ حقیقت ہے کہ ''الکُفرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ'' (کفر تمام کے تمام ایک ہیں) بجائے اس کے کہ وہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچائیں ان کی خواہش ہے کہ وہ تمہاری جڑ ہی کاٹ دیں۔

''یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ''

"یہ تمام مل کر یہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں۔"

نفاق کے اس خیمے میں حکمرانوں کے ساتھ علماء سوء بھی شریک کار ہوں گے جو اپنے فتوؤں میں قرآن وحدیث کی غلط تاویلات کے ذریعے حکمرانوں کے ان رویوں کو دلیل فراہم کریں گے۔ امت مسلمہ میں موجود یہی وہ گروہ ہے جس سے نبی پاکؐ نے خطرے کا اظہار کیا تھا "**عن عمرو بن عوف قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: انی أخاف علی أمتی من بعدی عن أعمال ثلاثةٍ، قالوا: یا رسول الله! قال: زَلّة العالم و حکم جائر و ھوی متبع**"

"عمرو بن عوف کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: مجھے اپنی امت پر تین باتوں کا خوف ہے، عالم کا راہ حق سے پھسلنا، ظالم حکمراں اور خواہشات نفسانی کی پیروی"

(الطبرانی، مجمع ج۵، ص ۲۳۹، و فیہ کثیر بن عبداللہ المدنی، و ھو ضعیف، و بقیۃ رجال ثقات)

ابھی حال ہی میں یہ خبر موصول ہوئی ہے کہ فلسطین میں کسی سرکاری عالم نے منافق حکمرانوں کی تعریف و توصیف کے پل باندھتے ہوئے فلسطینی مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ہم فلسطینی شکست کھا گئے، یہ اور اس جیسے کلمات امت کے حوصلوں کو پست کرنے کے لیے کہے جاتے رہتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ امت کے سامنے ایسے درباری علماء کی حقیقت بیان کریں تاکہ وہ ان کے فریب سے محفوظ رہے، خصوصاً فتنوں کے دور میں یہ کام اور ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ یہی وہ طبقہ ہے جو ہر دور میں ملک و ملت کی پیشانی پر ذلت کے سیاہ دھبے لگنے کا سبب ہوتا ہے۔

تاریخ میں بارہا ایسا ہوا کہ جب اسلام پر ہورہی یلغاروں کا جواب دینے اور حق کے دفاع کے لیے کوئی عالم اٹھا تو ان کی سب سے زیادہ مخالفت اور نظام وقت کی سب سے زیادہ حمایت انہی علماء سوء نے کی، چاہے وہ امام ابوحنیفہ کا زمانہ ہو یا امام احمد بن حنبل کا، ابن تیمیہ ہوں یا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ ان کی راہوں میں رکاوٹیں پیدا کرنے میں یہ سرکاری علماء پیش پیش رہے، باطل کو حق اور حق کو باطل کی سندیں فراہم کرنا ان کا شیوہ رہا ہے۔

نہ ہو جو معترض باطل خداؤں کی خدائی پر
یہ مشکل ہے حفیظؔ اس قسم کا دیندار ہو جائے

ایسے ہی عالم ہوں گے جن کے جہنم میں سب سے پہلے ڈالے جانے کی وعید سنائی گئی ہے۔ یہ داخلی فتنہ خارجی فتنوں سے کہیں زیادہ مہیب اور خطرناک ہے کیوں کہ یہ روشن چراغ لے کر اندھیروں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اسی وجہ سے حسرت کا اظہار کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

" لاتبکوا علی الدین اذا ولیه أهله ولکن تبکوا اذا ولیهٔ غیر أهله"

(مسند احمد، ج ۴۸، ص ۷۷، حدیث نمبر ۲۲۴۸۲)

"کہ جب دین کے پیشوا لائق ہوں تو مت روؤ، ہاں اس وقت روؤ جب دین کے پیشوا نااہل ہوں"

ظاہراً اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے یہ علماء نبی امی کے الفاظ میں مخلوق میں سے سب سے بدتر اور فتنوں کا منبع ہوں گے، چنانچہ بیہقی کی ایک روایت میں ہے:

"علماء هم شر من تحت أديم السماء، من عندهم تخرج الفتنة و فيهم تعود"

"کہ فتنوں کے دور میں علماء آسمان کے نیچے بدتر مخلوق ہوں گے، فتنے انہی میں سے نکلیں گے اور واپس انہیں میں لوٹیں گے۔"

سوال یہ ہے کہ ایسے علماء کی پہچان کیا ہے جس سے وہ پہچان میں آسکیں، تو احادیث میں ان کی طرف رہنمائی کی گئی ہے۔ امام ابن ماجہ عبداللہ بن عباس سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"میری امت میں کچھ لوگ دین میں تفقہ (سمجھ بوجھ) حاصل کریں گے، قرآن پڑھیں گے اور کہیں گے کہ ہم امراء کے پاس جاتے ہیں تاکہ ان کی دنیا سے بھی کچھ لے لیں اور اپنے دین کو بھی بچا رکھیں حالانکہ یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں، جس طرح ببول کے درخت سے کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ملتا، اُمراء کے قرب سے بھی خطاؤں کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔"

ایک دوسری حدیث میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اذا رأیت العالم یخالط السلطان مخالطة کثیرة، فاعلم أنه لصّ"

(مسند الفردوس لدیلمی، عن ابی ھریرۃ)

"کہ جب تم کسی عالم کو حاکم سے بہت زیادہ میل ملاپ رکھتے دیکھو تو جان لو کہ وہ چور ہے۔"

موجودہ دور میں ایسے ہی علماء کو دجالی ایجنڈے کے تحت امت مسلمہ کا رہنما اور لیڈر بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ یہودیوں کی خفیہ تحریک Free Masonry کے طریقۂ کار کی ایک شق یہ بھی ہے کہ صاحب اقتدار اور معاشرے میں اثر و رسوخ رکھنے والے لوگوں کو رشوت دے کر اپنے کام میں لایا جائے، لہٰذا ہم پر یہ فرض ہے کہ گمراہ کرنے والے ان حکمرانوں اور اماموں پر نظر رکھیں تاکہ امت کو ان کے فتنے سے آگاہ کرسکیں اور ان علماء حق کو آگے بڑھائیں جو غیر معروف ہیں، اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

سفینۂ عہد نو پہ چھایا ہوا ہے بہروپیوں کا لشکر
یہاں ہر ایک ناخدا نما ہے مگر کوئی ناخدا نہیں ہے
(حفیظ میرٹھی)

●●●

مسئلہ فلسطین
منظر اور پس منظر

پرویز نادر

کیا فلسطین یہودیوں کا دیرینہ خواب ہے؟ کیا فلسطین سے مسلمانوں کو دست بردار ہو جانا چاہیے؟ کیا فلسطین پر یہودیوں کا حق ملکیت صحیح ہے؟ کیا فلسطینی مسلمانوں کو فلسطین کے علاوہ کسی اور جگہ بسایا جا سکتا ہے؟ یہ اور اس طرح کے کئی ایسے سوالات ہیں جس پر آئے دن مباحثے ہوتے رہتے ہیں۔ پہلے پہل یہودی قوم کے لیے فلسطین پناہ گاہ بنا اور پھر دیرینہ خواب بن گیا، اس کے بعد یہودی دھیرے دھیرے فلسطین میں آباد ہوتے گئے پھر بات اس سرزمین پر یہودیوں کے حق ملکیت کی ہوئی، دیکھتے ہی دیکھتے فلسطین مسلمانوں کے لیے مسئلہ فلسطین سے لیکر قضیہ فلسطین بن گیا جس کو ساری مسلم دنیا مل کر بھی آج تک حل نہیں کر پائی۔ فلسطین کی موجودہ صورتحال کو سمجھنے کے لیے تاریخ کی ورق گردانی کرنی ہوگی، منظر کو سمجھنے کے لئے پس منظر کو جاننا انتہائی ضروری ہے تبھی جا کر حق و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا ہے اور حق ملکیت و حقوق کی بازیابی کے لیے مزاحمت کی سمت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

فرعون کے مظالم سے نجات پا کر جب بنی اسرائیل صحرائے سینا پہنچی تو اس وقت حضرت موسیٰ کی قیادت میں اللہ نے بنی اسرائیل کو فلسطین دینے کا وعدہ کیا اس وقت بنی اسرائیل نے اپنے محسن اور نجات دہندہ رسول سے کہا ہم تو وہاں کبھی نا جائیں گے جب تک کہ وہ (مشرک) وہاں موجود ہیں۔ پس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں (المائدہ: 24) چونکہ ان کے نزدیک فلسطین میں بسنے والی قوم بڑی زور آور تھی اس لیے انہوں نے وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔ اس جرم کی پاداش میں اللہ نے بنی اسرائیل کو چالیس سال صحرائے سینا میں در بدر بھٹکنے کی سزا دی اور یہیں سے خانہ بدوشی بنی اسرائیل کا مقدر بن گئی، چالیس سال کے بعد اللہ نے پھر بنی اسرائیل کو فلسطین میں داخلے کا موقع عطا کیا۔ چنانچہ ان کے داخلے کے وقت ارض فلسطین میں متعدد قومیں آباد تھیں جن میں حتی، اموری ،کنعانی، فرزی، حوی، یبوسی، فلستی وغیرہ۔ ان میں بدترین قسم کا شرک پایا جاتا تھا۔ دیگر اخلاقی برائیوں میں انہوں نے ساری حدیں پار کر دیں۔ حضرت موسیٰؑ کے ذریعے بنی اسرائیل کو صاف صاف ہدایات دی جا چکی تھیں کہ یہ قومیں چونکہ نا قابل اصلاح ہو چکی ہیں اس لیے تم ان کو ہلاک کر دینا لیکن بنی اسرائیل نے ان ہدایات کو نظر انداز کر کے اپنی کوئی متحدہ حکومت قائم نا کی بلکہ اپنی قبائلی عصبیت کے باعث انہوں نے بارہ قبیلوں میں منقسم ہو کر رہنا پسند کیا اور ہم سایہ قوموں کی عادات و اطوار ان کے اندر گھس آئے جس کے نتیجے میں فلسطین کی مقامی اقوام نے انہیں خوب ذلیل و خوار کیا، کڑی آزمائش کے بعد طالوتؑ کی قیادت میں انہیں اللہ کے دشمنوں سے نجات دی۔ حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کے دور حکومت میں بنی اسرائیل کا دور عروج شروع ہوا۔ اسی زمانے میں بنی اسرائیل نے اپنی دو الگ سلطنتیں قائم کیں۔

شمالی فلسطین اور شرق اردن میں ''سلطنت اسرائیل'' اور جنوبی فلسطین اور ادوم کے علاقے میں سلطنت یہود ۔ اول الذکر سلطنت کا دارالحکومت ''سامریہ'' قرار پایا اور موخر الذکر ریاست کا پایہ تخت ''یروشلم'' بنا۔ جب بنی اسرائیل اپنی ہم سایہ اقوام کے درمیان شرک اور اخلاقی بگاڑ سے پاک نہ رہی تو اللہ نے آشوری قوم کے ذریعے سلطنت اسرائیل کو اپنی گرفت میں لے لیا اور آشوریوں نے اس ریاست کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ اس کے بعد یہودی سلطنت کی باری آئی جسے اللہ نے بابل کے بادشاہ بخت نصر کے ذریعے تہس نہس کر دیا جس کے بعد بنی اسرائیل کے بچے ہوئے لوگوں کو ملک سے فرار ہونا پڑا۔

اسی زمانے میں بنی اسرائیل یہودی ریاست کی بنیاد پر یہودی کہلانے لگے ۔اس نسل کے اندر کاہنوں، ربیوں اور احبار نے اپنے خیالات اور رجحانات کے مطابق عقائد و رسوم اور مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صدیوں میں تیار کیا تھا،اس کا نام یہودیت (Judaism) رکھ دیا گیا۔

64اور 66ء میں یہودیوں نے کھلم کھلا رومیوں سے بغاوت کر دی جس کے وہ باجگزار تھے۔اس کے نتیجے میں رومی سلطنت نے بغاوت کو کچلتے ہوئے انہیں تہہ تیغ کر دیا جس میں ایک لاکھ سے زائد لوگ قتل کیے گئے۔ انہیں دو واقعات کو قرآن مجید دو فساد عظیم سے یاد کرتا ہے۔اس قتل عام کے بعد یہودیوں کی کمر ایسی ٹوٹی کے پھر دو ہزار سال تک انہیں سر اٹھانے کا موقع نا ملا۔

عیسائی بادشاہت میں یہودیوں کا حال

مختصر کہا جائے تو عیسائی سلطنتوں میں یہودیوں کو ہمیشہ نرم چارہ بنا کر رکھا گیا ،صلیبی جنگوں کے دوران جب عیسائی جنگجوؤں کو لڑنے کے لیے مسلمان نا ملتے تو وہ یہودیوں سے جنگ چھیڑ دیتے۔ پھر یہودیوں کی ہلاکتوں کا مرکز فرانس سے ہوتا ہوا جرمنی جا پہنچا۔اس کے بعد یہ سلسلہ برطانیہ تک دراز ہوگیا،1144ء میں لندن قتل عام، 1255ء میں صرف ایک نوجوان کے جھوٹے قتل کی افواہ پر لندن میں یہودیوں کو دیوار سے لگا دیا گیا، 1257ءاور 1267ء کی خانہ جنگیوں میں سات شہر، لندن، کنٹربری۔ نارتھمپٹن، ونچسٹر، ورسٹر،لنکن اور کیمبرج کے یہودی خاندانوں کا کلیتاً خاتمہ کر دیا گیا۔ 1321ء میں اسپین میں جزام کے ذریعے تخریب کاری کے جرم میں یہودیوں کا قتل عام شروع ہوگیا۔ اسی طرح کی دوسری مصیبت یہودیوں پر تب بن آئی جب1348ء میں سارے یورپ میں طاعون کا مرض پھیل گیا جس کی ذمہ داری یہود پر عائد کی گئی اور چن چن کر یہودیوں کو نشانہ عبرت بنایا گیا

پولینڈ میں یہودیوں کی ترقی

برطانیہ، فرانس،اور جرمنی میں ذلت آمیز رسوائیوں کے بعد یہودی پولینڈ پہنچنے لگے، جو چودھویں صدی عیسوی میں یہودیوں کی آخری جائے قیام بنی۔ 18ویں صدی میں روس، پولینڈ اور جرمنی کے سوا تقریباً پورے یورپ میں ان کی حالت مستحکم ہو چکی تھی اور ان کے پاس دولت کی خوب ریل پیل ہونے کے باوجود کوئی مستقل جائے قیام نا تھی۔انہیں اپنے لیے ایک ریاست اور حکومت کی ضرورت محسوس ہوئی اور اپنے خوابوں کی دنیا میں انہیں صرف اور صرف ارض فلسطین نظر آیا جسے وہ خدائی میراث سمجھتے تھے، جس کے حصول کے لیے باقاعدہ طور پر فلسطین اور بیت المقدس پر قبضے کی غرض سے 1887ء میں تحریک شروع ہوئی اور اس کے لیے دنیا بھر سے یہودیوں کی فلسطین کی جانب ہجرت شروع کرائی گئی تاکہ یہودی وہاں جا کر زمینیں خریدیں چنانچہ 1880ء سے اس مہاجرت کا سلسلہ شروع ہوا اور اس کے بعد مشہور یہودی لیڈر تھیوڈور ہرتزل نے 1897ء میں صہیونی تحریک (Zionist movement) کی بنیاد ڈالی جس کے مقاصد میں فلسطین پر قبضہ اور ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر شامل تھے۔ یہودی سرمایہ داروں نے اس غرض کے لیے بڑی بڑی مالی امداد کی کہ فلسطین میں آباد ہونے والے خاندان وہاں زمینیں خریدیں۔ 1901ء میں تھیوڈور ہرتزل عثمانی خلیفہ سلطان عبدالحمید کے دربار میں اس پیشکش کے ساتھ حاضر ہوا کہ یہودی ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ بدلے میں یہودیوں کے لیے ارض فلسطین میں قومی وطن کی بھیک مانگی جس کو عبدالحمید نے انکار دیا اور جواب دیا کہ میرے زندہ رہنے تک فلسطین کی ایک انچ زمین بھی نہیں دونگا۔اس کے بعد صہیونی تحریک کے مقاصد میں ایک اور مقصد شامل ہوگیا اور وہ تھا سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ۔جس کے لیے نا صرف یہودی دماغ کارفرما تھا بلکہ مغربی سامراج بھی اپنے اہداف اور اسلام دشمنی میں رات دن اسی کوشش میں میدان جنگ تیار کر رہا تھا۔ اسی زمانے میں مغربی سامراج اور یہودیوں نے ترکی اور عرب

قومیت کا صور پھونکا جس کے نتیجے میں عربوں نے عثمانی خلافت سے بغاوت کردی اور اپنے سروں پر انگلستان کو لاکھڑا کیا۔ دوسری طرف جب 1914ء میں جنگ عظیم اول کے شعلے بھڑک اٹھے تو یہودیوں نے جرمنی سے یہ وعدہ لینے کی کوشش کی کہ وہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنادے گا لیکن چونکہ ترکی جرمنی کا حلیف تھا جس کی وجہ سے یہود کی ساری امیدیں برطانیہ اور فرانس سے وابستہ ہوگئیں اور جس کے لیے ڈاکٹر وائزمین (Dr.weizman) آگے بڑھا اور انگلستان کی حکومت کو یہ یقین دلایا کہ جنگ میں دنیا کے تمام یہودیوں کا تعاون، قوت وقابلیت اور پیسہ انگلستان اور فرانس کے کام آسکتا ہے اگر وہ جنگ جیتنے کے نتیجے میں فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنادے۔ آخرکار 1917ء میں ڈاکٹر وائزمین نے انگلستان کے وزیر خارجہ لارڈ بالفور سے وہ عہد نامہ حاصل کیا جو تاریخ میں اعلان بالفور کے نام سے مشہور ہے، جس میں فلسطین کو یہودیوں کی قومی ریاست کے لیے دینے کا وعدہ کیا گیا اور رہتی دنیا تک عدل و انصاف کے قتل کی داستان اور نسل کشی وحقوق انسانی کی پامالی کا پروانہ جاری کردیا گیا، ساتھ ہی آنے والی نسلوں اور تاریخ انسانی میں ایک خونی باب کا اضافہ کردیا گیا۔ انگریز قوم کی آج تک کی اور رہتی دنیا تک کی شرمندگی کا باعث، بددیانتی اور دھوکے کی اس سے بڑی مثال نہیں مل سکتی کہ ایک طرف انگلستان عربوں کو بے وقوف بنارہے تھے کہ ترکی سے بغاوت کے نتیجے میں ہم عربوں کی ایک خودمختار ریاست بنادیں گے اور دوسری طرف انہیں کی آزاد ریاست فلسطین پر یہودیوں کو قومی وطن بنانے کا پروانہ دیا جارہا تھا۔ ایک بسی بسائی قوم جو صدیوں سے فلسطین میں امن و امان کے ساتھ مقیم تھی انہیں بے دخل کرنے کا منصوبہ اور عملی کوششیں شروع ہوچکی تھیں۔ اسی لیے جنگ عظیم اول کے بعد مجلس اقوام بنائی گئی جس کے زیر اثر یہودیوں کو فلسطین میں بسنے، وہاں زمینیں خریدنے اور فلسطینیوں کو اپنی میراث سے محروم کرنے کا قانونی حق دیا گیا۔

مرد بیمار ترکی کی بیماری ولاچاری، عربوں کی سستی و کاہلی سے بڑھ کر نا اہلی و دنیا پرستی، یہودیوں، انگلستان اور فرانس کی مکاری وعیاری نے فلسطینی مسلمانوں کو مستقبل کے تاریک گڑھے میں دھکیل دیا۔ فلسطین پر انگلینڈ کے قبضے اور اعلان بالفور کے بعد یہودیوں کے طویل المیعاد منصوبے کا پہلا مرحلہ مکمل ہوگیا۔ مجلس اقوام نے فلسطین کو اپنے انتداب (جو حکومت مقامی حکمرانوں کی جانب سے نا چلے بلکہ جس پر مجلس اقوام۔ یا آج کے زمانے میں کہیں گے کہ اقوام متحدہ کا بین الاقوامی حکم چلے) میں لے لیا۔ اس کے بعد عرب فلسطینیوں کو نا صرف اپنی زمین سے بے دخل کردیا گیا بلکہ انسانیت کو شرمسار کرنے اور لرزا دینے والی نسل کشی اور فسادات کا دور شروع ہوا۔ ہر ممکن اور ناممکن کوشش کی گئی کہ دنیا میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کررہی یہودی قوم کو فلسطین میں بسایا جائے اور ساری دنیا یہ تماشہ خوب دیکھتی رہی۔ ظالم یہودیوں کو مجبور ومصیبت زدہ ثابت کرکے قومی وطن بنانے کے تمام مراحل بڑی ڈھٹائی اور ظلم وناانصافی کے راستوں سے گزار کر پورے کیے گئے۔ اس طرح عربوں اور فلسطینیوں کے قلب پر یہودی ریاست کی شکل میں زہریلا خنجر گھونپ دیا گیا۔ جنگ عظیم دوم کے زمانے میں رہی سہی کسر پوری کی گئی اور جرمنی میں ہٹلر کے ظلم اور یہودیوں کی نسل کشی کا ڈھنڈورا پیٹ کر لاکھوں یہودیوں کو ہر قانونی و غیر قانونی طریقے سے فلسطین میں لا بسایا گیا تو دوسری طرف مجلس اقوام اور انگلینڈ نے فلسطین کے رہائشی مسلمانوں کو وہاں سے ہجرت کے لیے بڑا فراخ دلانہ مظاہرہ کیا اس طرح 1917ء سے 1947ء تک یہودی اس قابل ہوگئے کہ فلسطین کو اپنا قومی وطن بنانے کے ساتھ قومی ریاست بنالیں۔ نومبر 1947ء میں آنجہانی مجلس اقوام کی جانشین اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو عربوں اور فلسطین کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ صادر کردیا جس میں فلسطین کا 55 فیصد رقبہ 33٪ یہودی آبادی جو مقامی نا تھی بلکہ باہر سے ہجرت کرکے آئی ہوئی تھی کو دیا گیا اور 45 فیصدی رقبہ 67٪ عرب آبادی کو دیا گیا حالانکہ اس وقت تک فلسطین کا صرف 6 فیصد حصہ ہی یہودیوں کے قبضے میں آیا ہوا تھا۔ اس کے بعد ظلم کی داستان نا قابل بیان اور رونگٹے کھڑے کرنے والی ہے۔

اس دوران میں 14/مئی 1948ء کو عین اس وقت جبکہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی فلسطین کے مسئلے پر بحث کررہی تھی صیہونی ایجنسی نے اسرائیلی قومی ریاست کا اعلان کردیا جس کو سب سے پہلے امریکہ اور روس نے آگے بڑھ کر تسلیم کیا۔ الجزیرہ کی ایک رپورٹ کے مطابق اسرائیل کے فلسطین پر قبضے کے صرف دو سالوں میں مظالم کے دوران فلسطینیوں کی 10 فیصد مرد آبادی کو قتل کیا گیا۔

الجزیرہ ہی کی ایک اور رپورٹ کے مطابق اسرائیلی ریاست کے قیام کے فوری بعد ساڑھے 7 لاکھ فلسطینیوں کو اپنی آبائی سرزمین چھوڑ کر قریبی ممالک مصر، اردن، عراق، لبنان اور شام جانے پر مجبور کیا گیا جب کہ ڈیڑھ لاکھ کے قریب فلسطینی اس وقت بنائی گئی اسرائیلی ریاست میں رہ گئے جن کے ساتھ آج تک مظالم جاری ہیں۔

مختصراً یہ جان لیجیے کہ آج اسرائیلی ناجائز ریاست فلسطین کے تقریباً 90 فیصد سے زیادہ رقبے پر قابض ہو چکی ہے۔ 1948ء سے لیکر 2021ء تک جتنی بھی جنگیں (عرب افواج، اسرائیل سے چار جنگیں لڑ چکی ہے)۔ 1948ء، 1956ء، 1967ء اور 1973ء میں ہوئیں، عربوں کو شکست ہوئی اور صہیونیوں کو فتح .... 1967ء کی جنگ تو نہایت شرمناک تھی۔ مصر، اردن اور شام کی مشترکہ افواج، اسرائیل کے مقابل تھیں۔ لیکن ان کو شکست فاش ہوئی .... یا دوسرے لفظوں میں کہا جائے کہ جب بھی عرب اسرائیل جنگ ہوئی راقم کے نزدیک صرف اسرائیل کو مزید طاقتور اور فلسطین کا حصہ اسرائیل کو تحفے میں دینے کے لیے لڑی گئیں جس میں بلی کا بکرا فلسطینیوں کو بنایا گیا مزید یہ کہ مغربی دنیا کو جدید ہتھیاروں اور ٹکنالوجی سے لیس مہلک بموں کے ساتھ اسرائیل کی پشت پر کھڑا کر دیا گیا۔ جب بھی فلسطین کی حمایت میں عربوں کو کھڑا کیا گیا تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ساری دنیا کو اسرائیل کے حق میں ہمدردی پیدا کرنے کے لیے کھڑا کیا گیا۔

بحرحال یہ تو اللہ کا وہ دوسرا وعدہ جو اس نے یہودیوں سے کیا ہے کہ تم اسی وقت مامون ہو سکتے ہو جب اللہ یا کسی انسانی گروہ کے ذریعے تمہیں پناہ مل جائے لیکن اللہ کی ایک سنت مسلم ہے اور وہ یہودیوں پر ذلت و مسکنت کو مسلط کرنے کی ہے جس کے نتیجے میں اللہ نے وقت کے چلتے فلسطین میں مزاحمتی تحریکیں برپا کیں جس میں حماس سرفہرست ہے، جس کی بنیاد شیخ احمد یٰسین ؒ نے 1987ء میں رکھی۔ اس تحریک نے ایمانی جذبے اور حریت و آزادی کا شوق فلسطینیوں میں پیدا کیا اور مختلف اوقات میں انتفاضہ کے ذریعے اسرائیل کو توسیع پسندانہ عزائم سے باز رکھا۔ اگرچہ حماس کی طاقت اسرائیل کے سامنے ایک نومولود کی حیثیت رکھتی ہے لیکن پتھر سے لیکر میزائل تک کی ترقی نے دنیا کو بتا دیا ہیکہ زندہ رہنے کے لیے شوق آزادی اور ایمانی قوت سب سے بڑے محرکات ہیں اور اسی تصور نے غزہ کی عوام کو اسرائیل کے سامنے صف آرا کیا ہوا ہے، ساتھ ہی یہ اصول بھی دنیا کو سمجھ میں آگیا کہ مزاحمت میں زندگی ہے جہاں مزاحمت ہوگی وہاں نسل کشی نہیں ہوگی، جو ترکِ مزاحمت کی شکل میں ماضی میں ہو چکی تھی۔ اور جہاں مزاحمت ہوگی وہاں نسلیں نسل کشی سے محفوظ ہو جائیں گی اور ہم سمجھتے ہیں کہ مزاحمت و شوق جہاد و شہادت کے اسی اصول نے 2021ء کی حالیہ جنگ میں اسرائیل کا غرور خاک میں ملا دیا جس میں اسرائیل کو جنگ بندی کی پہل کرنی پڑی جبکہ 1948ء کے مقابلہ میں اسرائیل آج کہیں زیادہ طاقتور، جدید ٹکنالوجی اور ہتھیاروں کا مالک ہے اور اس کے سامنے حماس کی طاقت سورج کو چراغ دکھانے کے مانند ہے۔ لیکن اللہ کے نزدیک رزمِ حق و باطل میں فتح و نصرت اہلِ ایمان، مزاحمت کا راستہ اختیار کرنے اور جذبہ جہاد و شوق شہادت والوں کے لیے ہی ہے۔

●●●

ایک عزم ایک فیصلہ

اگر ہم انسانی نفسیات کا گہرا جائزہ لیں تو چاہے زندگی کا کوئی کلّی اور ہمہ گیر انقلاب ہو یا کوئی جزئی اصلاح، ہر تبدیلی ایک عزم اور ایک فیصلہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جب تک ایک مجاہدانہ عزم نہ باندھا جائے اور جب تک قوتِ ارادی اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر ایک قطعی فیصلہ کا اعلان نہ کردے ہمارے اندر کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ بہت سی چیزیں جن کی ہم تعریف کرتے ہیں اور گفتگوؤں میں ان کو واجب العمل مانتے رہے ہیں، لیکن عملاً ان کو اختیار نہیں کرتے۔ دوسری طرف بہت سی چیزوں کو ہم برا کہتے ہیں اور ان سے بچنے کو وجہ فلاح قرار دیتے ہیں لیکن ساری عمر وہ ہمیں چمٹی رہتی ہیں۔ یہ مجہول حالت محض اس وجہ سے ہم پر برسوں طاری رہتی ہے کہ ایک قطعی فیصلہ نہیں کرپاتے، بلکہ بیچ میں لٹکے رہتے ہیں۔ اصلاحِ نفس کی مہم شروع کرنے کے لیے درجۂ اول کی ضرورت ہے کہ آدمی علم و شعور کے مطابق ہر معاملہ میں قطعی فیصلہ کرنے اور عزمِ صمیم باندھنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرے۔

(نعیم صدیقی)

●●●

قسط نمبر ۳

خلیل احمد حامدیؒ

اسرائیل کی تعمیر میں اشتراکی ممالک کا کردار

کمیونسٹ ممالک نے اسرائیل کو اسلحہ فراہم کیا۔اس وقت یہودیوں کو اسلحہ کی سپلائی زیادہ تر مشرقی یورپ سے ہو رہی تھی۔ اور خاص طور پر چیکوسلواکیہ سے جس کے لیے خود اسٹالن نے منظوری دی تھی۔ کچھ اسلحہ اس سرمائے سے حاصل کیا گیا تھا جو امریکہ اور یورپ کی صہیونی تنظیمیں فراہم کر رہی تھیں۔ یہ بات قطعی طور پر ثابت ہے کہ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء میں یہودیوں اور عربوں کی جو جنگ ہوئی اس میں یہودیوں نے وہ اسلحہ استعمال کیا تھا جو انہیں زیادہ تر مشرقی یورپ کے ان ممالک سے ملا تھا جن پر کمیونسٹوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد غلبہ پایا تھا۔ ماسکو کے حکم سے یہودی مشن کو، جو موشے شاریت کی قیادت میں حصولِ اسلحہ کے لیے گیا ہوا تھا۔ یہ اجازت دی گئی کہ وہ رومانیہ اور یوگوسلاویہ کے بحری جہازوں پر اپنی ضرورت کا جنگی سامان لاد کر حیفا کی بندرگاہ تک پہنچائیں۔ یورپ کے سرکاری بیانات اور بین الاقوامی ایجنسیوں کے حوالوں کی روشنی میں اسلحہ کی یہ کھیپیں مشرقی یورپ سے ذیل کی تعداد میں یہودی مشن کو فراہم کی گئیں۔

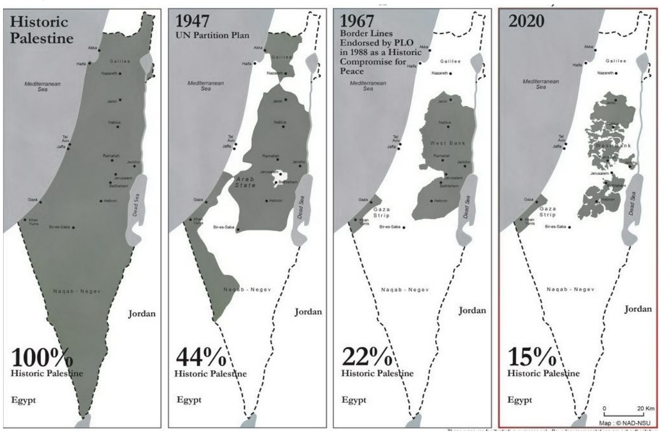

چیکوسلواکیہ کے ہوائی جہاز	۲۴
مختلف النوع ٹینک	۱۲۵
بکتر بند گاڑیاں	۴۰۰
بھاری توپیں	۷۰۰
مختلف النوع توپیں	۳۵۰
رائفلیں اور اسٹین گنیں	۱۰۰۰۰۰
دستی بم	۱۵۰
بارود	۳۰۰۰ ٹن
باربرداری کی گاڑیاں	۱۰۰۰

اس کے علاوہ وہ اسلحہ بھی یہودیوں کے پاس تھا، جو انھوں نے فلسطین میں برطانوی فوج کے گوداموں سے لوٹا تھا، اور وہ اسلحہ بھی شامل تھا جو مغربی یورپ میں اتحادی فوجوں کے ذخائر سے انھوں نے حاصل کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر کمیونسٹ ممالک اسرائیل کی پشت پناہی نہ کرتے اور بھاری اسلحہ اور ہوائی جہازوں سے اسے کمک نہ پہنچاتے تو اس جنگ کے دوسرے مرحلے (جولائی ۱۹۴۸ء) میں یہودی ان دور دراز علاقوں میں ثابت قدم نہ رہ سکتے تھے جو تقسیم کی قرارداد میں شامل نہیں تھے۔ مثلاً صحرائے نقب، یافہ اور گلیل کا مغربی حصہ وغیرہ۔ اسلحہ کی سپلائی کے ساتھ اس سازش کا اضافہ کیا جاسکتا ہے جو جنگ بندی کے نام سے جون ۱۹۴۸ء میں یو۔این۔او کے اندر عربوں پر ٹھونس دی گئی۔

یالٹا کانفرنس اور مسئلہ فلسطین:

اب تھوڑی دیر کے لیے ذرا ۱۹۴۵ء کی طرف لوٹیں اور یالٹا کانفرنس کے ریکارڈ پر طائرانہ نگاہ ڈالیں، جس میں نازی ازم کا قلع قمع

کرنے، جرمنی کو اتحادیوں کے مقبوضات میں تقسیم کرنے، جاپانی امپیریلزم کی بساط الٹنے اور مشرقی یورپ کے ممالک میں جمہوری حکومتیں قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ یہ خفیہ مذاکرات جو تین سربراہوں (چرچل، روزویلٹ اور اسٹالن) کے مابین ہوئے، ان کی رُوداد پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ثانوی درجے کے جن موضوعات پر گفت وشنید ہوئی تھی ان میں سے ایک پولینڈ کا موضوع تھا۔ اور دوسرا وہ مراسلہ تھا جو صہیونی لیڈروں کی ایک کمیٹی نے اس کانفرنس میں پیش کیا تھا۔ اس مراسلے میں صہیونیوں نے یہ مطالبہ کیا تھا:

ا۔ جرمنی پر مالی تاوان عائد کیا جائے، اس مالی تاوان کی مقدار ۵ ارب ڈالر تجویز کی گئی اور یہ تاوان ان یہودیوں میں تقسیم کیا جائے جنہیں شدید نقصانات پہنچے ہیں، خواہ وہ جو اس وقت یورپ میں موجود ہیں، اور خواہ وہ امریکہ اور فلسطین چلے گئے ہیں۔

۲۔ فلسطین کی طرف یہودیوں کی ہجرت پر تمام پابندیاں اٹھادی جائیں۔

۳۔ یہودیوں کو اپنا مخصوص سیاسی وجود تشکیل دینے کے لیے ہر طرح کی امداد دی جائے۔

صدر روزویلٹ کے ایک قریبی سیاستدان جان سوریل کا بیان ہے کہ اس وقت اسٹالن اپنے برطانوی اور امریکی رفقاء کی نسبت یہودیوں کے معاملے میں زیادہ جذباتِ ہمدردی اور جوش وخروش کا مظاہرہ کرتا رہا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ وہ مظلوم قوم ہے جس کے ۳۰ لاکھ افراد مشرقی یورپ میں اور ڈھائی لاکھ افراد یورپ میں جرمن گسٹاپو کی تیغ ستم کا شکار ہوئے ہیں۔ جان سوریل اپنی کتاب ''یالٹا سے پوٹسڈم تک'' میں جو سان فرانسسکو میں ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی ہے، لکھتا ہے:

''سویت یونین کے سربراہ اسٹالن نے مطالبہ کیا کہ جرمنی پر عائد کردہ تاوان کو دگنا کیا جائے، اور یہ یہودیوں کے حوالے کیا جائے، تاکہ وہ فلسطین کے اندر ان ۳۰ لاکھ یہودی مہاجروں کی آباد کاری پر صرف کرسکیں جو سوویت یونین اور مشرقی یورپ سے وہاں ہجرت کر گئے ہیں مگر چرچل نے بڑے لچکدار ڈپلومیٹک اسلوب میں اسٹالن کو جواب دیا ''فلسطین کا شاداب علاقہ بہت تنگ ہے۔ ۳۰ لاکھ یہودیوں کی اس میں گنجائش نہیں ہے۔ یہودیوں کی ہجرت پر سے پابندی اٹھالینے کے بعد عرب ممالک کے اندر ہنگاموں کی لہریں اٹھ کھڑی ہوں گی اور فلسطین جیسے نازک مقام کے معاملے میں عربوں اور یہودیوں کے درمیان خونریز کشمکش کا آغاز ہوجائے گا۔ یہ تمام نہایت پیچیدہ مشکلات ہیں، برطانیہ بین الاقوامی تعاون کے بغیر تنہا ان مشکلات کو حل نہیں کرسکتا۔'' اسٹالن یہ جواب سن کر مسکرادیا اور کہنے لگا کہ مشرق کی اقلیتوں کی مشکلات صرف اس صورت میں حل ہوسکتی ہیں کہ اشتراکی نظام کو وہاں رائج کیا جائے، یہ نظام قومی تحریکوں کو ختم کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ ہم نے اسی نظام کی بدولت ان تمام قومی تحریکوں کی جڑ کاٹ کر رکھ دی ہے جو سوویت یونین کے اندر پائی جاتی تھیں۔ اس طرح ہم نے سوویت یونین کو تمام مصائب ومشکلات سے آزاد کروادیا ہے۔ روزویلٹ نے پہلو بدلتے ہوئے کہا: ہماری معلومات کے مطابق اشتراکی نظام کے اصول ومبادی یورپ کے یہودی فلاسفروں نے وضع کیے ہیں لیکن بایں ہمہ یہ نظام یہودیوں کی منتشر اور پراگندہ قوم کی مشکل کا حل فراہم نہ کرسکا۔ میرے نزدیک بہتر طریقہ یہ ہے کہ جنگ کے خاتمہ کے بعد ایک بین الاقوامی کمیٹی بنائی جائے جو فلسطین کے عمومی حالات کا مطالعہ کرے اور عربوں اور یہودیوں کے مسائل سمجھ کر ان کے لیے پُرامن تجویز پیش کرے۔''

یالٹا کانفرنس میں اسٹالن نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ مشرقی اور عربی ممالک کے ان تمام زعماء کو بلیک لسٹ میں درج کیا جائے جنھوں نے جرمنی کے نازی حکام کے ساتھ تعلقات قائم کر رکھے ہیں، بلکہ ان مصنفین اور اربابِ صحافت کو بھی اسی فہرست میں شمار کیا جائے جنھوں نے ہٹلر کے عہد میں نازی ازم کا پروپیگنڈا کرنے میں حصہ لیا ہے۔ بحث وتمحیص کے بعد بالآخر اس بات پر اتفاق ہوا کہ نازی حکام سے تعاون کرنے والوں کو سزا دینے کا معاملہ اس حکومت پر چھوڑ دیا جائے جس کے دائرۂ اختیار میں ایسے لوگ پائے جاتے ہوں۔ تین بڑوں نے یہ بھی بالاتفاق طے کیا کہ ایک اعلیٰ ٹریبونل قائم کیا جائے جس میں نازی لیڈروں پر مقدمات چلائے جائیں اور اُن میں سے ہر ایک کو خواہ وہ سول کا آدمی ہو یا فوج کا، جنگی مجرم قرار دیا جائے اسی فیصلے کی رُو سے جنگ

کے بعد نوربنرگ کی مشہور عدالت قائم کی گئی تھی (نوربنرگ کی عدالت کا ریکارڈ بابت ۱۹۴۵ء تا ۱۹۴۶ء)

یوگوسلاویہ کی طرف سے مفتیٔ فلسطین کو سزائے موت دینے کا مطالبہ

یہ بات بھی کبھی فراموش نہ ہونی چاہیے کہ یوگوسلاویہ کی کمیونسٹ حکومت اور صہیونی تنظیموں نے مل کر نوربنرگ کی اتحادی عدالت کو یہ باور کرانے میں پورا پورا زور صرف کیا کہ الحاج امین الحسینی مفتیٔ اعظم فلسطین کے خلاف جو جھوٹے الزامات عائد کیے گئے تھے، وہ بالکل درست ہیں۔ یوگوسلاویہ اور صہیونیوں کی طرف سے الحاج امین الحسینی کے خلاف جو دو میمورنڈم کمیٹی کے سامنے پیش کیے گئے ان میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ مفتی صاحب نے نازی حکام کو برانگیختہ کیا تھا کہ یہودیوں کو بالکل فنا کردیا جائے۔ اسی طرح مفتی صاحب نے بوسنہ کے مسلمانوں پر مشتمل عسکری دستے مرتب کیے تھے اور انھیں نازی فوجوں میں شامل کردیا تھا، تاکہ وہ یوگوسلاویہ کے انقلابیوں کے خلاف نازی فوجوں کے دوش بدوش لڑیں۔ صہیونی تنظیموں کا اس مطالبے سے مقصد یہ تھا کہ اس نامور عرب لیڈر کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے جس نے فلسطین کو صہیونی تحریک کی مقاومت کا مرکز بنا رکھا تھا۔

روس کی امداد کے لیے صہیونیوں کا منصوبہ

جنگ کے متصلاً بعد امریکہ کے یہودی ماہرین سوویت یونین کے لیے مفادات حاصل کرنے میں منہمک ہوگئے، چنانچہ ان کی مساعی سے سوویت یونین نے واشنگٹن سے بھاری بھرکم امداد حاصل کرلی۔ جس کی مجموعی مقدار نقد کی صورت میں ایک ارب ڈالر اور غذائی مواد، ادویہ، کیمیاوی مواد، زرعی آلات اور مشینری کی شکل میں تین ارب ڈالر تھی۔ صہیونی تحریک کا منصوبہ یہ تھا کہ سوویت یونین کو اپنے ممالک میں جدید ترین بھاری صنعتوں کے قیام و فروغ کے لیے حکومت امریکہ کے خزانے اور مالی اداروں اور کمپنیوں کی طرف سے سرمایہ فراہم کیا جائے۔ مگر واشنگٹن کو اس منصوبہ کے اسرار اور اس کے خطرات کا پتہ چل گیا۔ اس سارے منصوبے کی تہ میں جو ارادے کام کر رہے تھے وہ یہ تھے کہ صہیونی تحریک ماسکو کا اعتماد حاصل کرے اور فلسطین کے اندر اپنی سازش کو کامیاب کرنے کے لیے ماسکو کو ضروری قوت فراہم کرے۔ (ملاحظہ ہو: روز ویلٹ کے عہد میں امریکہ کے وزیر خارجہ مسٹر ٹاٹینیوس کی ڈائری۔ یہ منصوبہ امریکہ کے وزیر خزانہ مورگنتھاؤ نے پیش کیا تھا جو صہیونی تحریک کا زبردست حامی سمجھا جاتا تھا)

فلسطین کے مسئلہ پر سلطان عبد العزیز کی روز ویلٹ سے گفتگو

یالٹا کانفرنس کا ذکر کرتے ہوئے جان سوریل اپنی کتاب کے پانچویں باب میں لکھتا ہے:

"۱۶ فروری ۱۹۴۵ء کو جب صدر روز ویلٹ کانفرنس سے فارغ ہو کر واپس جارہا تھا تو اس نے راستے میں کوئین نامی جہاز کے اندر اپنے دوست چرچل کے ہمراہ جزیرۃ العرب کے حکمراں سلطان عبدالعزیز بن سعود سے ملاقات کی۔ سلطان کے ساتھ متعدد اقتصادی اور سیاسی موضوعات پر بات چیت ہوئی۔ مسئلہ فلسطین اور یہودیوں کی لگاتار ہجرت کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا۔ مذاکرات کے آغاز میں تو سلطان عبدالعزیز بڑی خندہ پیشانی سے گفتگو میں حصہ لیتے رہے مگر جب روز ویلٹ نے یہودیوں کا موضوع چھیڑا تو سلطان کا چہرہ متغیر ہوگیا اور وہ کہنے لگے: ہر چیز پر غور و خوض کیا جاسکتا ہے اور ہر وہ بات جو آپ کی قوم اور ہماری قوم کے لیے صحیح اور مفید ہوسکتی ہے قبول کی جاسکتی ہے مگر یہودیوں کی ہجرت کا مسئلہ ایسا ہے کہ ہم یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ یہ ہجرت بے روک ٹوک جاری رہے۔ یہ ہجرت اگر یوں ہی جاری رہی تو اس سے کئی مسائل جنم لے سکتے ہیں اور عرب اور مغرب کے تعلقات مکدّر ہوسکتے ہیں، فلسطین عربوں کے لیے انتہائی عزیز اور گراں بہا متاع ہے۔ اس کے کسی معمولی سے حصے کے بارے میں بھی کسی قیمت پر سودے بازی نہیں ہوسکتی۔ ہم یہ خواہش رکھتے ہیں کہ یہ عرب علاقہ پُرامن اور صہیونیوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہے۔"

صدر روز ویلٹ عرب فرماں روا کی صاف گوئی سے بڑے خوش ہوئے سلطان کے اس بیان کو پرائیویٹ سکریٹری نے قلم بند کرلیا۔ اور اگلی صبح کو مسٹر چرچل کو بھی اس بیان سے مطلع کردیا گیا۔

اسی کتاب کے پانچویں باب میں صفحہ ۳۲۶ پر مسٹر جان سوریل رقم طراز ہے:

"چرچل نے سلطان عبدالعزیز کے بارے میں اپنے دوست روزویلٹ کے تاثرات دریافت کیے۔ روزویلٹ نے کہا" مجھے اندازہ ہوا ہے کہ یہ شخص بڑا راست باز ہے، جری ہے، بےلاگ ہے۔ زندگی کی کوئی کوشش اس پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس کی گفتگو سے مجھے یقین ہوگیا ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کا اجتماع مشرق کے امن کو بھسم کردے گا اور عرب ہر ممکن ذریعہ سے یہودیوں کی مقاومت کریں گے۔ یہ بات انتہائی خطرناک ہے۔ ہمیں عربوں سے اپنے تعلقات کو محفوظ رکھنے اور مشترک مفادات کے تحفظ کے لیے اس خطرے کا لازماً تدارک کرنا چاہیے۔"

مگر قبل اس کے کہ جرمنی بلا قید و شرط ہتھیار ڈالتا اور جرمنی کا نازی ازم اپنی موت آپ مرتا، روزویلٹ ۱۵/ اپریل ۱۹۴۵ء کو دنیا سے کوچ کرگیا اور ٹرومین اس کا جانشین ہوا جو یہودنوازی میں مشہور تھا۔ ڈیموکریٹک پارٹی کی کامیابی کے لیے اس نے امریکہ کے ۵۰ لاکھ یہودیوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لالچ میں یہودیوں کی ہر طرح سے پشت پناہی کی اور امریکہ کو بین الاقوامی بددیانتی کی اس راہ پر ڈال دیا جس پر وہ آج تک آگے ہی آگے بڑھتا چلا جارہا ہے۔

مسئلہ فلسطین اقوام متحدہ میں

اپریل ۱۹۴۷ء میں برطانیہ نے مسئلہ فلسطین کو اقوام متحدہ کو میز پر رکھ دیا، تاکہ اس مسئلے کے بارے میں جو قرارداد بھی پاس ہو اس کی ذمہ داری تنہا برطانیہ پر نہ ہو، بلکہ بین الاقوامی تنظیم کے سر منڈھ دی جائے۔ اس نے یہ اقدام اس لیے نہیں کیا تھا کہ وہ عربوں کی کوئی خدمت کرنا چاہتا تھا، بلکہ صرف اس لیے کیا تھا کہ اس طرح سے وہ ہر اس فیصلے کی ذمہ داری سے بری ہوسکتا ہے جو آئندہ عربوں کے ساتھ اس کے تعلقات پر اثر انداز ہوسکتا ہو۔

اقوام متحدہ میں جب یہ مسئلہ پہنچا تو مغرب اور مشرق کے دونوں کیمپوں کے درمیان سودے بازی نے بڑی خطرناک شکل اختیار کرلی۔ یہ اپنی نوعیت کی ایک شرمناک سازش تھی جس کا خمیازہ نہ صرف فلسطینی قوم کو بلکہ پوری عرب دنیا کو بھگتنا پڑا۔ عرب دنیا کے ۹۹ فیصد لوگ یہ تو جانتے ہیں کہ اس سازش میں امریکہ و برطانیہ اور مغربی ممالک کا کردار کیا تھا مگر وہ اس بات سے قطعی بےخبر ہیں کہ اقوام متحدہ کے اندر عرب سیاستدانوں کی نگاہوں سے اوجھل رہ کر سوویت یونین اور کمیونسٹ بلاک نے مسئلہ فلسطین کے بارے میں کیا افسوسناک کردار ادا کیا ہے۔ میں پوری صاف گوئی اور وثوق سے کہتا ہوں اور خود اقوام متحدہ کی رودادوں کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ جب سے فلسطین کا مسئلہ اقوام متحدہ کی بساط پر زیر بحث آیا ہے اور جب سے اسرائیل کا منحوس وجود عمل میں آیا، ماسکو کا رویہ یہودیوں کے حق میں ہی رہا ہے۔ جو شخص اس کے خلاف رائے رکھتا ہے میری اس سے درخواست ہے کہ وہ ذرا ۱۹۴۷ء، ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء کے تین سالوں کی اقوام متحدہ کی فائلوں کی ورق گردانی کرے تاکہ اسے میرے دعوے کی اصلیت معلوم ہوجائے۔ نیز ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۶۵ء تک ۱۵ سالوں کے اندر اسرائیل اور وارسا پیکٹ کی کمیونسٹ ریاستوں کے مابین جن کی قیادت ماسکو کے ہاتھ میں ہے جو اقتصادی اور ثقافتی اور فنی معاہدات ہوئے ہیں ان پر بھی ایک نظر ڈال لے۔ اس کے بعد وہ کبھی یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ کمیونسٹ بلاک اسرائیل نواز نہیں ہے۔ (جاری.....)

●●●

اہل کفر کی پارلیمنٹ میں زلزلہ کب برپا ہوگا؟

کفر کو اس کی فکر نہیں کہ آپ مسجدوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کریں، نمازیں پڑھیں یا لمبے لمبے اذکار کریں، ممبروں پر فضائل سنائیں یا دروس قرآن و حدیث میں مشغول ہوجائیں، رنگ رنگ کی پگڑیاں پہنیں یا ماتموں، میلادوں کے جلوس نکالیں، جمعراتیں، شبراتیں منائیں یا محافل حمد و نعت کریں۔ کفر چاہتا ہے آپ یہ سب شوق سے کریں مگر نظام کفر اور الحاد کے ماتحت رہ کر کریں اور اللہ کے نظام کے نفاذ کی بات نہ کریں۔ آپ خانقاہیں بنائیں عرس منائیں، تبلیغی اجتماعات کریں مگر اللہ کے نظام کی بالادستی کی بات نہ کریں، کفر کو حکومت کا اختیار دیں۔ اور اسلام کو محکوم رہنے دیں۔ کفر کے ایوانوں میں زلزلہ تو تب آتا ہے جب مسلمان بدر و حنین کی سنت پر عمل کرتا ہے۔ ایسا کوئی اسلام رسول اللہ سے ثابت نہیں جو وقت کے فرعون اور ابوجہل سے نہ ٹکرائے۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

شیخ جراح اور اسرائیل کا توسیع پسند منصوبہ

ڈاکٹر محمد مبشر خاں

شیخ جراح اور اسرائیل کا توسیع پسند منصوبہڈاکٹر محمد مبشر خاں شیخ جراح میں حالیہ تنازعہ کو اسرائیل فلسطین جنگ کا ایک اہم حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اس تنازعہ کی وجہ شیخ جراح میں کچھ جائیدادوں اور رہائشی یونٹوں کی ملکیت ہے۔ اسرائیلی قانون یہودیوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ 1948ء سے قبل مغربی کنارے اور مشرقی یروشلم میں زمین پر دعوے داخل کریں۔ لیکن فلسطینی اس سرزمین پر اسرائیلی دعوے کو مسترد کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں اسرائیل اور فلسطین کے مابین موجودہ جنگ برپا ہوئی۔ اسرائیل کی تشکیل کے بعد سے ہی صہیونیوں نے فلسطین میں ایک عظیم تر ریاست کے قیام کا منصوبہ بنایا۔ اس کے لیے، فلسطینیوں کو کچلنا اور ان کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرنے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ انھوں نے فوراً ہی فلسطین میں نسل کشی کی مہم شروع کر دی۔ اس نے عرب آبادی کو منظم انداز سے بے دخل کرنے کے لئے "پلان ڈی" تشکیل دیا۔ بینی موریس نے اپنی مشہور کتاب "فلسطینی پناہ گزینوں کا مسئلہ 1947-1949ء" میں 369 فلسطینی علاقوں کو درج کیا جو اس عرصے کے دوران اسرائیلی نسل کشی کا نشانہ بنے۔ پہلی عرب اسرائیل جنگ (1948ء) ہوئی اور اس جنگ کے نتیجے میں فلسطینی پناہ گزینوں اور اسرائیلیوں کے درمیان زمین کا مسئلہ پیدا ہوا۔ 1947ء کے آخر اور 1949ء کے اوائل کے درمیان قریب 9 لاکھ فلسطینیوں کو زبردستی گھروں سے بے گھر کر دیا گیا۔ جب 1949ء میں ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے تو ریاست اسرائیل نے نہ صرف الاٹ کردہ 55 فیصد رقبے پر قبضہ کیا، بلکہ سابقہ فلسطینی اراضی کے 77 فیصد (دنم 20،40،000) پر بھی قبضہ کیا۔ 1948ء کی جنگ نے تقریباً 20،000 فلسطینیوں کو مغربی یروشلم میں اپنے گھروں سے بھاگنے پر مجبور کر دیا، اور تقریباً 2،000 یہودی مشرقی یروشلم سے فرار ہونے پر مجبور ہوئے۔ 1970ء کا یہ قانون ان یہودیوں کو مشرقی یروشلم سے اپنے گھروں میں آباد کرنے کی کوشش ہے۔ یہ قانون یہودی مالکان کو واپس ان کی جائیداد دینے کی بات کرتا ہے۔ ان کے نزدیک یہ ایک تاریخی ناانصافی کی اصلاح کی گئی ہے۔ تاہم، شہر کے مغربی حصے میں اپنی جائیداد سے چند سو میٹر دور رہنے والے فلسطینی اپنی جائیداد پر دوبارہ دعویٰ نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ قانون کی اصل خامی ہے۔ ایک یہودی ٹرسٹ نے 1870ء میں عثمانی فلسطین میں عرب جاگیروں سے شیخ جرح میں زمین خریدی۔ تاہم، کچھ فلسطینیوں نے اس سے اختلاف کیا ہے جنہوں نے اس زمین کے کچھ حصے کے لئے عثمانی دور کی زمین کے دستاویزات دکھائے ہیں۔ 1948ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد

اردنی حکومت نے اس زمین پر قبضہ کرلیا تھا۔سن 1956ء میں اردن کی حکومت نے مہاجرین کے لئے اقوام متحدہ کی تنظیم یو این آر ڈبلیو اے کے ساتھ مل کر، یہودی ٹرسٹوں کی ملکیت والی یہ زمین 28 فلسطینی پناہ گزینوں کے خاندانوں کو جو مغربی یروشلم سے 1948ء کی جنگ کے دوران مشرقی یروشلم میں نقل مکانی پر مجبور ہو گئے تھے، کو بسایا تھا۔ یہ خطہ چھ روزہ جنگ (1967ء) کے بعد اسرائیلی قبضے میں آیا تھا۔ 1972ء میں، اسرائیلی کسٹوڈین جنرل نے یہودی ٹرسٹوں کے تحت اثاثوں کا اندراج کیا، ان میں شیخ جراح کا علاقہ بھی شامل تھا۔ یہودی ٹرسٹ نے بدلے میں مطالبہ کیا کہ کرایہ دار کرایہ ادا کریں۔انخلا کے احکامات کا آغاز 1990ء کی دہائی میں ہوا تھا۔ یہودی ٹرسٹوں نے یہ مکانات دائیں بازو کی تنظیم لہہ سامریہ کو فروخت کیں، جس کے بعد سے انہوں نے فلسطینی باشندوں کو بے دخل کرنے کے لئے بار بار کوششیں کی ہیں۔شیخ جراح کے لوگ مہاجرین کی اولاد ہیں جو 1948ء میں جعفہ اور حیفہ سے اپنے گھروں سے بے دخل یا بے گھر ہوئے۔وہ اسرائیل کے دو قوانین کے درمیان پس رہے ہیں۔ایک قانون (1970ء) شیخ جراح کو بے دخل کرنے کی کوشش ہے اور دوسرا قانون (غیر منقولہ جائیداد قانون) پہلے ہی اس سے اس کی جائیداد چھین چکا تھا۔فلسطینی خاندانوں نے پیش کش کی ہے کہ اگر وہ 1948ء سے پہلے کی اپنی جائیداد واپس حاصل کرسکیں تو شیخ جراح کو چھوڑ دیں گے،لیکن ان کی پیش کش کا جواب نہیں ملا۔فلسطینی کرایہ داروں کا خیال ہے کہ چونکہ یہ زمین اسرائیل کی تسلیم شدہ سرحدوں سے باہر ہے لہٰذا وہاں اسرائیلی عدالتوں کا کوئی دائرہ اختیار نہیں ہے اور یہ بھی کہ اس تناظر میں کرایہ داروں کو بے گھر کرنا روم کے قانون کی خلاف ورزی ہے۔اسرائیل فلسطینیوں کی سرزمین پر قبضہ کر رہا ہے کیونکہ اس کے قیام کا مقصد شروع سے ہی ایک بڑا اسرائیل بنانا ہے،اس کی سرحدیں نیل سے فرات تک کی حدود ہیں۔ 1948ء کی جنگ اسرائیل کے 78 فیصد تاریخی فلسطین پر قابض ہونے اور قریب 900،000 فلسطینی مہاجر بننے کے ساتھ ختم ہوگئی۔مغربی کنارے اور غزہ کی پٹی کا بقیہ فیصد حصہ بالترتیب اردن اور مصر کے قبضے میں آگیا۔اسرائیل نے سن 1967ء کی جون کی جنگ میں شام کے گولان پہاڑیوں اور مصر کے جزیرہ نما سینا جزیروں کے ساتھ ساتھ فلسطین کے تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ایک بار پھر تقریبا 4304،000 فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا اور اسرائیل نے ساڑھے تین گنا علاقے پر قبضہ کرلیا۔آج اسرائیل یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ شیخ جراح کی سرزمین یہودیوں کی تھی کیونکہ 1948ء سے پہلے ان کے پاس یہ جائیدادیں تھیں۔لیکن اسرائیل اس کے برعکس یہ بھول جاتا ہے کہ اس وقت اسرائیل کے پاس صرف چھ فیصد زمین تھی اور آج تقریبا 93 فیصد اراضی اسرائیل کے زیر کنٹرول ہے۔ زمینی انتظامیہ نے اس کی زیادہ تر زمین یہودیوں کو مختص کی تھی۔شیخ جراح کو بے دخل کرنے سے پہلے اسرائیل کو 1948ء کے بعد پوری زمین پر قبضہ چھوڑنا چاہیے اور ان علاقوں کو خالی کر دینا چاہیے۔

●●●

قرآن کی تعلیم

قرآنِ حکیم نے سب معاملات میں تحمل و برداشت کی تعلیم دی ہے مگر ایسے کسی حملے کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی جو دین اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں پر اسلام کے سوا کوئی دوسرا انظام مسلط کرنے کے لیے کیا جائے۔اس نے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے کہ جو کوئی تمہارے انسانی حقوق چھیننے کی کوشش کرے،تم پر ظلم و ستم ڈھائے،تمہاری جائز ملکیتوں سے تم کو بے دخل کرے،تم سے ایمان و ضمیر کی آزادی سلب کرے،تمھیں اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے سے روکے،تمھارے اجتماعی نظام کو درہم برہم کرنا چاہے اور اس وجہ سے تمھارے درپے آزار ہو کہ تم اسلام کے پیرو ہو،تو اس کے مقابلے میں ہرگز کمزوری نہ دکھاؤ اور اپنی پوری طاقت اس کے اِس ظلم کو دفع کرنے میں صَرف کردو۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، الجہاد فی الاسلام)

فلسطین اسرائیل جنگ

چند غور طلب پہلو

نصر من اللّٰہ و فتح قریب

محمد معاویہ شریف رحمانی

قضیہ فلسطین عالم اسلام کا سب سے بڑا قضیہ ہے۔ عالمی طاقتوں کی حمایت کے ذریعے اسرائیل کے قیام کی راہ ہموار کی گئی اور 1948ء میں ناجائز طریقے سے فلسطین کی سرزمین پر اس کے قیام کو عملی شکل دی گئی۔ اس کے بعد متعدد بار عرب ممالک کی متحدہ افواج کی اسرائیل سے جنگیں بھی ہوئیں لیکن ہر جنگ اسرائیل کی مضبوطی اور توسیع کا سبب بنی، اور فلسطینی ریاست کا نا صرف خاتمہ ہوگیا بلکہ قبلہ اول بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ عرب ممالک کی شکست کی مختلف وجوہات تھیں جس میں سر دست جذبہ جہاد سے خالی افواج اور عالمی طاقتوں سے دوستی اور ان پر اعتماد اہم ترین وجوہات ہیں۔

فلسطینیوں کی جانب سے باضابطہ مسلح آزادی کی جنگ الفتح کے ذریعے شروع ہوئی لیکن اس تنظیم پر سیکولر اور کمیونسٹ خیال کے افراد کا غلبہ زیادہ رہا۔ اس تحریک نے اپنی جدوجہد کے لئے اسلام کو قوت متحرکہ کے طور پر اختیار نہیں کیا جس کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی نہیں مل سکی۔

فلسطین اور القدس کی آزادی کی لڑائی میں اخوان المسلمون کا کردار بہت اہم رہا ہے، اگر ان پر پابندی عائد نہ کی جاتی تو جذبہ جہاد سے سرشار اخوان المسلمون کے مجاہدین 1948ء ہی میں اس قضیہ کو حل کر چکے ہوتے، لیکن مصر کے ظالم حکمرانوں نے عالمی طاقتوں کے آلہ کار بن کر قضیہ فلسطین کے حل کی راہ کو اندھیری سرنگ کی طرف موڑنے کا کردار ادا کیا۔

اخوان المسلمون سے متاثر اور ان کے تربیت یافتہ شیخ احمد یٰسین شہیدؒ کے ذریعے نوے کی دہائی میں اسلام کی بنیاد پر حماس کا قیام عمل میں آتا ہے۔ حماس کی بے لوث جدوجہد نے آزادی فلسطین کو ایک نیا رخ دیا۔ پچھلے پندرہ سالوں میں حماس کی اسرائیل سے تین تباہ کن جنگیں ہو چکی ہیں۔ ان

جنگوں میں اگرچہ فلسطینیوں کے جان و مال کا نقصان بہت زیادہ ہوا لیکن اسرائیل اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوسکا اور ہر جنگ نے حماس اور فلسطینیوں کو مضبوط کیا۔

گذرے رمضان کے آخری عشرے میں غاصب اسرائیل نے مسجد اقصیٰ پر دھاوا بول دیا جس نے جنگ کی شکل اختیار کرلیا اور 11 روز تک حماس اور اسرائیل کے درمیان زبردست جنگ ہوئی لیکن بالآخر اسرائیل کو جنگ بندی کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

حالیہ اسرائیل فلسطین جنگ کے چلتے یہ حقیقت آج پھر واضح ہوگئ ہے کہ یہ قوم اسرائیل کبھی بھی کہیں بھی پامردی، جوش وخروش اور ہمت سے آمنے سامنے مقابلہ کرنے کے قابل نہیں ہے۔ان کی تاریخ رہی ہے کہ انھوں نے ہر دفع جنگ سے، جہاد و قتال سے راہ فرار اختیار کیا ہے۔واضح فتح ونصرت کے وعدے کے بعد بھی وقت کے نبی کی موجودگی میں ان لوگوں کے زبانوں سے یہ جملے نکلے ہیں کہ ”آپ موسیٰ تو اور تیرا رب جا کرلڑ ہم لوگ یہاں بیٹھے ہیں۔“ یہ ایسی قوم ہے کہ اللہ نے ان پر ابدی ذلت اور مسکنت مسلط کررکھی ہے۔ یہ کبھی اہل حق کا ڈٹ کر مقابلہ نہیں کرسکتے۔ یہ اس قوم کی تاریخ رہی ہے کہ اس نے کبھی وفا نہیں کیا۔ ظاہر بات ہے کہ جو قوم اپنے اس حقیقی رب سے وفا نہیں کر پائی جس نے انھیں اتنی نعمتوں سے نوازا کہ جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ انھیں دنیا کے تمام اقوام پر فضیلت بخشی۔انھیں انبیاء و رسل کے ذریعہ کئی معجزے عطا کیئے۔لیکن غداری اور بے وفائی انکی گھٹی میں بھری ہوئی ہے۔آج اسرائیلی ریاست نے انھیں تمام تر سہولیات فراہم کررکھی ہے، انھیں گھر دیا، مکان دیا، اسکول، کالیجس، ہاسپٹل، اور اعلیٰ سے اعلیٰ سہولتیں دی لیکن جب اسرائیل پر اہل حق مجاہدین حماس کی طرف سے معمولی میزائلوں سے حملے کیئے گئے تو انکے طوطے اڑ گئے، جس ریاست سے یہ عہد وفا کیا کرتے تھے آج اس سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ دراں حالانکہ ان کے ملک کے پاس دنیا بھر کی ٹیکنالوجی ہے، مضبوط آئرن ڈوم ہے، دفاعی ساز وسامان ہے، دنیا بھر کی بہترین انٹیلجنس ہے،دنیا کی صف اول کی فوج ہے لیکن ان سب کے باوجود اس قوم میں ڈر اور خوف کا یہ عالم ہے کے ایک سائرن بجنے سے انکے حواس گم ہوجاتے ہیں،جس کی ایک بہترین مثال حال ہی میں ہوئے ایک واقعہ سے ہم سمجھ سکتے ہیں۔یہ واقعہ عبرانی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عام کیا گیا۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ:

بیت المقدس کے ایک نوجوان نے مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر موبائل سے الارم چلا دیا۔چونکہ الارم بجنا اس بات کی علامت ہے کہ مجاہدین نے قابض اسرائیلیوں پر حملہ کردیا ہے، لوگ اپنی محفوظ پناہ گاہوں میں چلے جائیں،موت کا خطرہ لاحق ہے۔یہی ہوا اسے سن کر سارے شہر کی صیہونی آبادی میں بھگدڑ مچ گئی ہزاروں صیہونی خوف و ہراس میں میزائل پروف شیلٹروں میں جا کر چھپ گئے، جو تیز بھاگ نہیں سکے وہ وہیں زمین پر منہ کے بل گر گئے۔ بعد میں موبائل ایپ پر الارم کے سگنل نہ ملنے پر یہ راز کھلا کہ نزدیک کی مسجد کے مائک سے کسی فلسطینی نوجوان کی یہ شرارت تھی۔جس کے چلتے ہزاروں اسرائیلیوں کی جان حلق تک آپہنچی۔

اور بھی اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس قوم رذیل میں موت کا خوف کس قدر ہے۔

حالیہ اسرائیلی جارحیت جو رمضان کے مقدس مہینہ سے شروع ہوئی تھی ساری دنیا کے اسلام دشمن عناصر اور امت کے پیٹ میں خنجر گھونپنے والے لبرل اور نام نہاد سیکولر یہ سمجھ رہے تھے اور پوری دنیا کو باور کرارہے تھے کے اسرائیل دنیا کا بہترین ٹیکنالوجی والا ملک ہے اور وہ غزہ کے مجاہدین کو نیست و نابود کردے گا اور اہل غزہ شکست سے دوچار ہوں گے لیکن شاید اہل کفر اسلام دشمن طاقتیں یہ بھول چکی تھیں کہ

”یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون“

”کہ یہ لوگ چاہتے ہے کہ اپنی منہ کی پھونک سے اللہ کے نور کو بجھادیں لیکن اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا چاہے کافروں کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔“

”ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین“

”وہ اپنی چالیں چل رہے ہیں اللہ اپنی تدبیر کر رہا ہے اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔“

جو لوگ اسرائیل اور قدس کے محافظ مجاہدین کی حالیہ جنگ کا شروعات سے ہی بغور جائزہ لے

رہے ہیں وہ یہ بات اچھی طرح جان چکے ہونگے کے اس جنگ میں بازی کس نے ماری ہے۔

ابھی جس وقت میں مضمون لکھ رہا ہوں اس وقت کی یہ رپورٹ ہے کہ اسرائیل میں موجود یہودیوں کی بڑی تعداد جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ دیگر ممالک سے ہجرت کرکے فلسطین میں بس چکے ہیں انکے اندر یہ احساس شدت اختیار کرگیا ہے کہ اپنے ملک کو چھوڑ کر فلسطین میں بسنا ان کی ایک بڑی غلطی تھی۔

چند اسرائیلی یہودی سوشل میڈیا صارفین کے ٹوئیٹ کے ترجمے دیکھیں اور اندازہ لگائیں کے اسرائیل کی سالہا سال کی وہ محنت جو انھوں نے پوری دنیا سے یہودیوں کو فلسطین میں جمع کرنے پر خرچ کی تھی اب اس پر پانی پھرتا نظر آرہا ہے۔

ایک سوشل میڈیا صارف یہ کہتی ہے کہ:

"میں اسرائیل سے بہت محبت کرتی ہوں لیکن میں خوف اور جنگ کے اس ماحول میں زندہ نہیں رہ سکتی، یا تو ریاست جنگ بند کرے یا پھر میں اپنے اس ملک میں واپس جانا چاہتی ہوں جہاں سے میں آئی تھی۔"

ایک یہودی اسرائیلیوں سے اپیل کرتا ہے کہ:

"میں تمام اسرائیلیوں سے انتہائی احترام کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کے ہم فلسطین کو چھوڑ دیں ورنہ ہماری زندگی چھین لی جائے گی چلو اپنے وطن واپس لوٹتے ہیں۔"

اس طرح کے ان گنت ٹوئیٹ اور پوسٹ سوشل میڈیا پر اور الیکٹرانک میڈیا پر گردش کررہی ہیں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہود ذہنی طور پر یہ جنگ ہار چکے ہے۔

اسکے علاوہ ابھی مشکل سے 11 دن بھی جنگ نہیں چلی تھی کے اپنے آپ کو دنیا کا سپر پاور خیال کرنے والا ملک ہتھیار ڈالتا نظر آتا ہے۔العربیہ اور الجزیرہ ٹی وی چینل کے خبر کے مطابق اسرائیل نے مصر سے سیز فائر کرانے کی اپیل کی ہے اور باقاعدہ یہ اعلان کیا ہے کہ اسرائیل سیز فائر کرنے پر راضی ہے اور اس کے بالمقابل مجاہدین کے جانب سے حماس کے ترجمان ابوعبیدہ حفظہ اللہ اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس 6 ماہ تک جنگ کی تیاری موجود ہے اور ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔اس راہ میں یا تو ہم القدس کو فتح کریں گے یا پھر شہادت کو گلے لگائیں گے۔

بالآخر امریکہ نواز مصری ظالم سیسی کی ثالثی میں جنگ بندی کا فیصلہ طے ہو ہی گیا۔جس سے اسرائیل نے چین کی سانس لی۔اس جنگ بندی کو اسرائیل کی بڑی ناکامی کے طور پر دیکھا گیا۔ خود اسرائیل میں سب سے بڑی اپوزیشن پارٹی کے ایک لیڈر نے یہ ٹوئیٹ کیا ہے کہ حالیہ اسرائیلی آپریشن اسرائیلی تاریخ کا بدترین ناکام آپریشن رہا ہے جس نے اسرائیل کو دنیا بھر میں ذلیل کردیا۔

خیر یہ جنگ بندی ہوتو گئی لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ جن کی تاریخ بدعہدی، دھوکہ اور فریب سے پُر ہے وہ یہود اس عہد و پیمان کو کب تک اور کیسے قائم رکھتے ہیں، کیوں کہ ہمیں اس سے بہت زیادہ امیدیں نہیں ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جو قوم اپنے پیدا کرنے والے مالک کی وفادار نہ ہوسکی اور تمام عہد و پیمان کو توڑ ڈالا اس سے اس بات کی امید لگانا کے وہ جنگ بندی کے معاہدے کی پاس داری کرے گی ہمارے خیال سے درست نہیں ہے۔

11 دنوں تک چلنے والی اس جنگ کے جو اثرات فریقین پر مرتب ہوئے ہے اس کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔مختلف ذرائع سے جو بات آرہی ہے اس سے دنیا بھر میں اس جنگ کو جانی و مالی نقصان سے قطع نظر اہل فلسطین کی اور پوری مسلم امہ کی فتح اور اسرائیل اور اہل باطل کی ہار کی صورت میں دیکھا جارہا ہے۔جس کی چند بنیادی وجوہات ہیں:

1:- اسرائیل اور اس کے ہمنواوں کا دنیا بھر میں جو رعب اور دبدبہ تھا اور جو تصویر دنیا بھر میں اسرائیل کی بنی ہوئی تھی گویا اسرائیل ایک ناقابل مسخر طاقت ہو اور اس کی ٹیکنالوجی، ہتھیار، فوج اور انٹیلیجنس کو شکست دینا ممکن نا ہو۔لیکن الحمدللہ اس جنگ نے اس بات کو ثابت کردیا ہے اور دنیا کو بتادیا ہے کہ دنیا کی کمزورترین طاقت جن کے پاس جدید ہتھیار کے نام پر میزائیل کے سوا کچھ نہیں (حماس) نے دنیا کی سپر پاور فوج کو اپنی شرطوں پر لاکھڑا کیا۔اور یہ بات پھر سچ ثابت ہوئی "كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله"

2:-اسرائیل کی حماس کو دنیا بھر میں اور خصوصا فلسطین میں الگ تھلگ کرنے اور گمنام کرنے کی سالہا سال کی ناپاک کوشش بری طرح ناکام ہوئی اور اس جنگ میں حماس پوری دنیا میں ایک فاتح اور قدس کے محافظ کے طور پر

ابھر کر آئی ہے جس سے فلسطین اور پوری دنیا میں حماس کی مقبولیت میں کافی اضافہ ہوا۔

3:-فلسطین کا قضیہ جو کئی سالوں سے ٹھنڈا ہو چکا تھا، شہیدوں کے خون اور مجاہدین کی جدوجہد کے نتیجہ میں اس جنگ کے بعد یہ معاملہ دنیا بھر کے ایوانوں اخباروں اور ہر خاص و عام کی زبانوں کی زینت بنا۔دنیا بھر میں اسرائیل کی مذمت اور فلسطین کی حمایت کا سبب بنا جس کی واضح دلیل یورپ سے لیکر ایشیا تک کے تقریبا تمام ممالک میں لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کا فلسطین کے حق میں ریلیاں اور احتجاج کرنا ہے نیز عالمی سطح پر مسلم لیڈران کے ذریعہ اس موضوع کو بلند کرنا وغیرہ وغیرہ۔

4:-بعض عرب اور دیگر ممالک جو اس معاملے کے سرد پڑنے کی وجہ سے مختلف بہانوں سے اسرائیل سے تعلق استوار کر رہے تھے اب عوامی دباو کی وجہ سے یہ آسان نہ ہوگا۔

5:-دنیا بھر سے اسرائیل نے جن یہودیوں کو لالچ دے کر اور اچھے اچھے خواب دکھا کر فلسطین لا کر بسایا تھا اب وہ اسرائیل کے اس دھوکہ کو سمجھ رہے ہیں اور اپنے ملک واپس لوٹنے کی ایک تحریک اسرائیل بھر میں چل چکی ہے۔اسرائیلی عوام شدید ذہنی تکلیف میں مبتلا ہیں اور خوف و ہراس کا شکار ہیں اور اپنی حکومت اور فوج پر سے عوام کا بھروسہ اٹھتا نظر آ رہا ہے۔

6:-حماس نے فلسطین میں مجاہدین کے درمیان اور دیگر فلسطینوں کے درمیان اتحاد و اتفاق کی ایک فضا ساز گار کر دی ہے جس کو تار تار کرنے کی اسرائیل برسہا برس سے کوشش کر رہا تھا۔

7:-امت واحدہ ہونے کا ثبوت اور یہود و نصاریٰ کی جانب سے تقسیم کی ہوئی لیکروں اور سرحدوں کی بے وقعتی اس بار پوری دنیا نے دیکھی۔جسم کے ایک عضو کو تکلیف میں دیکھ کر پوری دنیا کے مسلمانوں کی بے چینی اس بار کافی شدت سے محسوس کی گئی۔

8:-فلسطینی قضیے کے حل کے لیے اس جنگ کی وجہ سے الحمدللہ دوست و دشمن کی پہچان ہوئی اور مخلص و منافق بھی الگ الگ ہو گئے جو کہ مستقبل کا لائحہ عمل طے کرنے کے لیے بہت مفید ہوگا۔

9:-جان و مال کا نقصان ظاہر ہے فلسطینوں کا زیادہ ہوا ہے لیکن حضرت عمرؓ کے اس قول سے ٹھنڈک ملتی ہے کہ۔تمہارے مقتولین آگ میں اور ہمارے مقتولین جنت میں ہونگے انشاء اللہ۔فلسطینی میدان جہاد میں مرنے کے لئے ہی تو آتے ہیں اور اس اعلان کے ساتھ آتے ہیں کہ **الموت فی سبیل اللہ اسمی امانینا**۔تو ایسے میں فلسطینیوں کی شہادتیں ظاہر میں ہمیں دکھ دیں گی لیکن حقیقت میں وہ ایک قید سے نکل کر ابدی کامیابی اور فلاح کے راستے کی طرف چل نکلے ہیں۔جس کی آرزو فلسطین کے بچے بچے میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔اسکے بالمقابل زندگی کی حرص میں ملوث اسرائیلیوں کی موت پوری دنیائے کفر پر قیامت بن کر برس رہی ہے۔

خیر حق و باطل کے معرکے کی یہ ازل سے ہی تاریخ رہی ہے کہ اہل حق نے بے سروسامانی، کسمپرسی اور بے بسی اور مظلومیت کے حالات کے باوجود کبھی ہمت نہیں ہاری، کبھی راہ فرار اختیار نہیں کی۔اس کی سب سے اہم وجہ نا کوئی ٹیکنالوجی ہے نا اسباب ہے نا افواج ہے بلکہ خالص توکل علی اللہ ہے۔خالص وہی جذبہ شوق و شہادت و جذبہ جہاد ہے جو انھیں موت سے محبت کرنا سکھا دیتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ بدر کے میدان سے لیکر افغان کے کہساروں تک اور اب القدس کے سائے تلے مجاہدین کا یہ لشکر خالص نصرت الٰہی اور توکل علی اللہ کی بنیاد پر اپنی فتوحات درج کرا رہا ہے۔اور انشاء اللہ آئندہ بھی کراتا رہے گا۔

اللّٰھم انصر من نصر دین محمد ﷺ واجعلنا منھم واخذل من خذل دین محمد ﷺ ولا تجعلنا منھم۔

آمین یا رب المجاھدین

•••

حق اور باطل کی کشمکش

دنیا میں حق اور باطل کی کشمکش بجائے خود ایک امتحان ہے، اور اس امتحان کا آخری نتیجہ اِس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں نکلنا ہے۔اگر دنیا کے انسانوں کی عظیم اکثریت نے کسی قوم، یا ساری دنیا ہی نے حق کو نہ مانا اور باطل کو قبول کرلیا تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حق ناکام اور باطل کامیاب ہوگیا، بلکہ اس کے معنی دراصل یہ ہیں کہ انسانوں کی عظیم اکثریت اپنے رب کے امتحان میں ناکام ہوگئی جس کا بدترین نتیجہ وہ آخرت میں دیکھے گی۔

(مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، رسائل ومسائل پنجم)

•••

قسط نمبر ۳

مختار احمد مکی

ہندوستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی

اورنگ زیب کی مذہبی پالیسی

یوں تو ان متعصب انگریزی اور ہندو مؤرخین کی نظروں میں تمام مسلم سلاطین معتوب اور قابل گردن زدنی قرار پاتے ہیں لیکن ان میں محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوری، علاء الدین خلجی، محمد بن تغلق، بابر اور اورنگ زیب وغیرہ سر فہرست ہیں۔ جدو ناتھ سرکار نے اورنگ زیب پر پانچ جلدیں، شیواجی پر تین جلدیں اور سلطنتِ مغلیہ کے زوال پر چار جلدیں لکھ کر مغل سلاطین خاص طور پر اورنگ زیب اور اس کے پس پردہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے اور نفرت پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اپنی ان تمام جلدوں میں وہ اورنگ زیب کو راون، ناشکر گذار آقا، ظالم، دغاباز اور جھوٹا، ہندوؤں کے مندروں کو مسمار کرنے والا اور ہندوؤں کو تمام ملازمتوں سے محروم رکھنے والا اور زبردستی اسلام قبول کرانے والا قرار دیا ہے۔ جدو ناتھ سرکار کے لفظوں میں:

''وہ ایک ایسا بدترین حکمراں ثابت ہوا جس سے بدتر کسی حکمراں کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا ہے۔ اس نے قرآن کے نظام سیاست پر عمل کر کے ہندوؤں کی زندگی کو ناقابل برداشت اور اجیرن بنا دیا تھا۔''

اس طرح اس نے اورنگ زیب کی مذمّت اس کے اعمال کے بجائے اس کے مذہب کی بنیاد پر کی ہے۔ جلد سوم کا ایک پورا باب اسلامک ایسٹ چرچ کے عنوان سے موسوم کرتے ہوئے اس کا کہنا ہے کہ:

''اسلام ایک ایسا وحشیانہ مذہب ہے جو اپنے مبلغین کو لوٹ مار اور خون ریزی کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ دنیا کے امن کا دشمن ہے اور اس کی رو سے رواداری ناجائز ہے۔۔۔۔ اورنگ زیب کی عدم رواداری کی وجہ اسلام تھا کیوں کہ وہ شجرِ اسلام کا ایک پھل تھا اور جب درخت ہی کڑوا ہو تو اس کا پھل لامحالہ کڑوا ہوگا۔''

اس طرح اس نے تاریخ کو ایسے متعصبانہ انداز میں پیش کیا ہے کہ ہندوؤں کے ذہن میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ اس نے ان راجپوت اور مراٹھا سرداروں، جنہوں نے مغلوں کی مرکزی حکومت سے جنگ کی ان کی بہادری اور شجاعت کے گن گائے ہیں۔ انہیں قومی ہیرو کا درجہ دے کر ہندو مذہب کا رچھک (دفاع کرنے والا) کہا اور مارے جانے والوں کو شہید آزادی کا رتبہ دیا۔ اپنے ایک شاگرد ڈاکٹر رگھو بر سنگھ ۱۸/اپریل ۱۹۳۰ء کے ایک خط میں جدو ناتھ سرکار تلقین کرتے ہیں کہ:

''تم اپنے تحقیقی مقالہ تاریخ مالوہ کو ہندی میں شائع کرانا چاہتے ہو تو یہ ایک بہتر قدم ہے لیکن میری کتاب اورنگ زیب کی جلد سوم اور پنجم میں صوبہ مالوہ میں جزیہ اور مندروں کے انہدام کے خلاف ہندوؤں کے ردّعمل کا جو ذکر ہے اسے ضرور اس کتاب میں شامل کرنا۔''

برطانوی حکومت کی جانب سے ان سب کے بدلے میں اچھے خاصے انعام و اکرام سے انہیں نوازا جاتا اور ان کی زبردست پذیرائی بھی ہوتی۔

خود جدو ناتھ سرکار اورنگ زیب کو شعور اور

حوصلہ میں ایشیا کے سب سے بڑے حکمرانوں میں سے ایک مانتا ہے۔اس کی تصانیف میں ایسے بہت سے واقعات موجود ہیں جن پر غور کرنے سے بآسانی یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اتنا کٹر،ظالم اور متعصب بادشاہ نہیں تھا جتنا کہ بتایا جاتا ہے۔وہ ایک جلیل القدر اور سخت مزاج بادشاہ ضرور تھا۔ وہ کوئی ولی یا سادھو سنت بھی نہیں تھا۔بلکہ ایسا حکمراں تھا جس کے لیے اپنی گدی کی حفاظت سب سے زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔وہ ایک کامیاب حکمراں کے طور پر یقیناً یہ جانتا رہا ہوگا کہ ہندوستان میں ہندو اکثریت میں ہیں اور مذہب وعقیدہ کا مسئلہ جان و مال سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔مزید یہ کہ ہندو راجہ اور زمینداروں کی ناراضگی اور ان کی مخالفت ایک الگ مسئلہ تھا۔آرسی مجمدار،ایشوری پرشاد،اشر وادی لال اور شری واستو وغیرہ بھی اورنگ زیب کے سلسلہ میں اپنے جانبدارانہ رویہ کا اظہار کرتے ہیں۔بقول علامہ شبلی نعمانی ؎

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا

کہ اورنگ زیب ہندو کش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

جب کہ ہربنس مکھیا کا کہنا ہے کہ آرسی مجمدار اورنگ زیب کے ذریعہ توڑے گئے مندروں کا تذکرہ بڑے زور وشور سے کرتا ہے لیکن ان حقائق پر چپ سادھ لیتا ہے کہ اس بادشاہ نے برہمن اور ہندو مندروں کو بہت سے عطیات دیئے ہیں۔جن کی مختصر تفصیل ڈاکٹر کے کے دت نے اپنی کتاب ''سم فرمان،سند اینڈ پروانار'' میں دی ہے۔خود ایشوری پرشاد کے قلم سے بھی نکلتا ہے کہ:

''پرماتما کی عجیب شان ہے کہ اورنگ زیب جتنا اپنی رعایا کا خیرخواہ تھا اتنا ہی قدرت نے اسے بدنام بھی کیا۔کوئی اسے ظالم قرار دیتا ہے تو کوئی خونی لیکن حقیقت میں وہ عالمگیر کے لقب کا بجا طور پر مستحق تھا۔''

کنور رفاقت علی خان کا خیال ہے کہ جدوناتھ سرکار مسلمانوں کو پردیسی سمجھتے ہیں جو بغیر ہندوستانی بنے ہندوستان میں رہتا ہے۔آرسی مجمدار کے خیال میں گرچہ دونوں فرقہ ہرچند ہندوستان میں ساتھ ساتھ رہتے تھے اس کے باوجود اپنے اپنے محور کے گرد گھومتے تھے۔جب کہ کے ایم پانیکر کے خیال میں عہد وسطیٰ مستقل طور پر ہندو مسلم تنازع کا عہد تھا۔

گروگوالکر اور سنگھ پریوار سے وابستہ اکثر ہندو مؤرخین مسلم قوم بشمول عام عوام، دستکار، مزدور اور کسانوں کو خونی جرگہ، خونی جتھا، لٹیرا، بحری قزاق، دشمن،تباہ کار، پرانے حملہ آوار، بدخواہ اور پرانا وکٹر دشمن جیسے الفاظ سے نوازتے رہتے ہیں۔

ایک مشہور انگریز مؤرخ اسٹینلی لین پول جسے اورنگ زیب مخالف سمجھا جاتا ہے وہ بھی اورنگ زیب کے عدل و انصاف کا معترف ہے۔اس کے بیان کے مطابق:

''اس کے پچاس برس کے طویل دورِ حکومت میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا جس سے اس کا ظلم یا کسی پر زیادتی ثابت ہوسکے۔اس کا انصاف ہمیشہ چچا تلا ہوتا۔اس کے حضور میں امراء اور منصب داروں کی کچھ بھی نہیں چلتی۔وہ ادنیٰ سے ادنیٰ فرد کی بات سنتا۔وہ عوام کا سچا ہمدرد تھا۔''

کیپٹن ہملٹن انگریز تاجروں کے ایک وفد کے ساتھ فروری ۱۶۹۰ء میں اورنگ زیب کے دربار میں حاضر ہوا تھا۔اپنے سفرنامہ میں اورنگ زیب کے کردار کی عکاسی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''ایک رحمدل بادشاہ کی طرح اورنگ زیب نے نہ صرف انگریز تاجروں کے قصور معاف کردیئے بلکہ ان کے قصوروں سے آگاہ کرتے ہوئے دانشمندانہ نصیحت کی کہ دوبارہ ان سے ایسی غلطی سرزد نہ ہو۔مزید یہ کہ اس بادشاہ نے اپنے تمام اقوال و افعال میں پوری طرح سے حضرت عیسیٰ مسیح کے تحمل سے کام لیا۔''

آزاد ہندوستان کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد اورنگ زیب کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ خیال کہ اورنگ زیب نے جبراً ہندوؤں کو مسلمان بنایا بالکل غلط ہے۔ایک واقعہ سے اس کی طبیعت کے رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ایک مرتبہ شاہجہاں نے اندھرا کے راجہ اندرمان کو پے درپے حکم عدولی کے الزام میں قید کردیا۔جب اورنگ زیب دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا تو اس نے شاہجہاں سے اندرمان کی رہائی کی پُرزور سفارش کی۔لیکن شاہجہاں کچھ ایسا ناراض تھا کہ ان تمام سفارشوں کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھا کہ اگر وہ مسلمان ہوجائے تو اسے رہائی مل سکتی ہے۔

اورنگ زیب نے شاہجہاں کی اس تجویز سے انکار کرتے ہوئے لکھا کہ اسلام ہمیں اس قسم کے جبر کی اجازت نہیں دیتا اور یہ تجویز نہ تو مذہب کے مطابق ہے اور نہ ہی اخلاق کے۔"

اورنگ زیب کی ہندو دوستی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مغلیہ دورِ حکومت کے مختلف مؤرخین نے مغل افواج میں پانچ سوسات ہزاری منصب داروں کی جو فہرست پیش کی ہے اس کے مطابق اکبر کے دربار میں ۴۶ ہندو منصب دار تھے جب کہ اورنگ زیب کے دربار سے وابستہ ایسے منصب داروں کی تعداد ۱۰۴ تھی۔اس کے دو سب سے بڑے سپہ سالار ہندو ہی تھے۔یعنی وزیر جنگ راجہ جے سنگھ اور فوج کے کمانڈر انچیف راجہ جسونت سنگھ اور رام سنگھ جن کے مقابلہ میں وہ کسی مسلم سپہ سالار کا تو خیر ذکر ہی کیا اپنے بیٹوں تک کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ بقول کے آر ملکانی:

"وہ اپنے محل کی حفاظت کے لیے اپنے ہندو پہرہ داروں پر ہی زیادہ اعتماد کرتا تھا۔"

اس نے اپنے بیٹے شہزادہ معظم کی شادی بڑے دھوم دھام سے راجہ روپ سنگھ کی بیٹی سے کی اور اس ہندو لڑکی پر مسلمان ہونے کے لیے کبھی زور نہیں ڈالا۔ بلکہ مذہب میں مداخلت کرنا وہ بدترین گناہ خیال کرتا رہا۔خود اس کے محل میں راجپوت رانی بائی اودے پوری موجود تھی لیکن اس کے مذہبی عقائد میں مداخلت نہیں کی۔اس کے بیٹے کام بخش پر اپنی دوسری اولاد سے کہیں زیادہ ہی وہ مہربان تھا۔

اسی طرح ایک بار اورنگ زیب کے سامنے جے پور کے راجہ جے سنگھ کو مرکزی حکومت سے مخالفت کے جرم میں پکڑ کر لایا گیا۔اورنگ زیب نے اس نوعمر راجہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کہا کہ بولو تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔اس نوعمر راجہ نے برجستہ جواب دیا کہ شادی کے وقت دولہا دلہن کا ایک ہاتھ پکڑتا ہے تو اس کو عمر بھی نبھاتا ہے۔حضور نے میرے دونوں ہاتھ پکڑے ہیں۔ بادشاہ کے چہرہ پر مسکراہٹ کھل گئی اور اس نے خوش ہو کر اس کے ملک کو سواگنا بڑھا دیا۔یعنی اس کی موجودہ حکومت میں چوتھائی کا اضافہ بطور انعام کرکے اس کی حکومت کو سوایا کردیا۔اس کے بعد ہی راجہ کے نام میں سوائی بطور خطاب لگ کر سوائی جے سنگھ ہو گیا اور یہ لفظ سوائی آج بھی اس خاندان میں موجود ہے۔

مغربی مؤرخین کا دوہرا معیارِ تاریخ نویسی

مغربی مؤرخین نے اپنی تاریخ نویسی میں ہمیشہ دوہرے معیار کا مظاہرہ کیا اور کبھی بھی اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھا:

"جس زمانہ میں ہندوستان میں سلطنتِ دہلی زوال پذیر تھی اور مغلیہ سلطنت کا ستارہ طلوع ہو رہا تھا۔اس دور میں یورپین امریکہ میں آباد ہو رہے تھے۔ امریکہ میں پہلے سے بہت سے مہذب و متمدن قبیلے موجود تھے۔لیکن ان یورپی قوموں نے اپنے اسلحہ کی برتری کی بنیاد پر وہاں کے اصلی باشندوں مثلاً آزٹکس یوکاٹن (Aztecs Yukaton) اور انکاس (Incas) کی مایا ریاستوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ بڑے پیمانہ پر قتل عام ہوا اور بقیہ لوگوں کو غلام بنا لیا گیا۔ان کے مواضعات کو تاراج کرکے راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کردیا گیا۔ میکسیکو جس کی آبادی ۱۵۰۰ء میں ایک کروڑ دس لاکھ تھی ۱۵۶۵ء میں ۴۴ لاکھ ۴۰ ہزار رہ گئی اور ۱۷۰۰ء میں مزید گھٹ کر صرف ۲۰ لاکھ رہ گئی۔"

وہاں کے قدیم بادشاہ کو گرفتار کرکے اسے الٹا لٹکا دیا گیا۔اس کے سامنے اس کی رعایا کو جلتی ہوئی آگ میں ڈال کر جلایا جاتا۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے والوں کو کتوں سے نچوایا جاتا۔آسٹریلیا اور تسمانیہ کے قدیم باشندوں کو جس طرح صفحۂ ہستی سے ان یورپی اقوام کی وجہ سے معدوم ہونا پڑا وہ بھی کم حیرت انگیز نہیں ہے۔ میکسیکو کے یہ لوگ جنگلی بھی نہیں تھے بلکہ اعلیٰ درجہ کی تہذیب کے حامل تھے۔ ان کی زبان اور رسم الخط ترقی یافتہ تھیں۔نظامِ شمسی پر مبنی ان کے کیلنڈر تھے۔ وہ اہرام نما بلند و بالا عمارتیں، عبادت خانہ، قلعہ اور محلات کے خالق تھے۔لیکن یورپی مؤرخین نے ان پر ڈھائے گئے مظالم کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔خود یورپ میں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کی خانہ جنگیوں نے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بنی نوعِ انساں کا خون بہایا۔رعایا اگر حکومت کے مذہب سے اختلاف کرتی تھی تو اس کے لیے ہولناک عذاب تھے۔مثلاً ۲۳ر اگست ۱۵۷۴ء کو فرانس کے شہنشاہ نے حکم دیا کہ پیرس کے تمام پروٹسٹنٹ پیروکاروں کو قتل کردیا

جائے ۔اس ظالمانہ فرمان میں بچے، بوڑھے، مرد اور عورت کی کچھ تمیز نہیں تھی ۔ بادشاہ بذاتِ خود اس کھیل کا نظارہ اپنے محل سے کر رہا تھا۔ راجرس (Rogers) کو بیوی اور دس بچے سمیت مذہبی اختلاف کے باعث زندہ جلا دیا گیا۔ اس طرح خود عیسائی مؤرخین کے حوالہ سے ایسے بے شمار شواہد موجود ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسیحی مبلغین تشدد اور طاقت کے ذریعہ لوگوں کے مذاہب کو تبدیل کیا کرتے تھے۔ ایک مؤرخ انہارڈی (Enhardi) کا کہنا ہے کہ یورپ کے سیکسن قوم کو جبراً عیسائی بنایا گیا۔ مسیحی مبلغوں میں ایک گروہ اخوان السیف (Brethren of Sword) تھا جس نے عیسائیت کی تبلیغ کے لیے آگ اور تلوار کا سہارا لیا۔ جیوٹ فرقہ سے وابستہ مشنری مبلغین تبلیغ میں عام طور پر تشدد کا راستہ اختیار کرتے تھے۔ جان ویلے (John Ville) اپنی کتاب سینٹ لوئیس کی سوانح میں تحریر کرتا ہے کہ:

"سینٹ لوئیس کی وصیت تھی کہ جو شخص دینِ عیسوی کی مذمت میں کسی کی زبان سے کوئی لفظ سنے اسے چاہیے کہ فوراً تلوار اس کے پیٹ میں اتار دے۔"

جس زمانہ میں اورنگ زیب ہندوستان کا حکمراں تھا برطانیہ کے اندر عجیب و غریب قانون رائج تھا۔ جس عورت پر کوئی ڈائن (ساحرہ) ہونے کا الزام لگایا جاتا تو اس عورت کو امتحان کی غرض سے کسی اتھاہ ندی، نالہ، تالاب یا سمندر میں ڈال دیا جاتا۔ اگر وہ ڈوب کر مر جائے تو یہ ثابت ہوتا کہ وہ ڈائن نہیں تھی لیکن اگر وہ کسی طرح ڈوبنے سے بچ گئی تو اس کا ڈائن ہونا ثابت ہوتا تھا اور اسے قتل کر دیا جاتا۔ یورپ میں ایک بھیانک مذہبی عدالت انکیوزیشن (Inquisition) کے نام سے پوپ کے ذریعہ قائم کی گئی تھی جس کا مقصد کیتھولک چرچ کی مخالفت کرنے والوں کو سزا دینا تھا۔ اس کے تحت پروٹیسٹینٹ کے علاوہ یہودی اور مسلمانوں کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ چرچ نے بعد میں ایک حکم جاری کر کے کہا کہ لوگوں کا خون نہ بہایا جائے تو اس کا بدل زندہ لوگوں کو آگ کی نذر کرنے میں تلاش کیا گیا۔ اس کا نام عقیدہ کا قانون (Act of Faith) رکھا گیا۔ اس کے تحت عالمی شہرت یافتہ افراد جیوڈارنو برونو (Giodarno Burno) اور گیلیلیو گیلے لائی (Galileo Galilei) وغیرہ کو بھی نہیں بخشا گیا۔ ان تمام کتابوں اور رسائل جو عیسائی عقائد سے ذرا بھی مختلف ہوں اور جن کی تعداد ۴۳۲۷ تھی ممنوعہ (Forbidden) قرار دے کر اس کے رکھنے اور اشاعت پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اس فہرست میں پاسکل وکٹر ہیوگو، جان لاک، کانٹ، ہنری برگساں، جین پال سارتر، جان کالوین، اسپونزا، ڈیوڈ ہیوم، جان ملٹن اور ارنسٹ ریناں وغیرہ کی کتابیں شامل تھیں۔ مختلف تاریخ دانوں کے محتاط اندازے کے مطابق صرف اسپین میں ملکہ ازبیلا اول اور فرڈیننڈ کے دورِ حکومت میں انکیوزیشن میں ۶۸ ملین پروٹسٹنٹ فرقہ کے پیروکاروں کو بربریت و اذیت کا نشانہ بنایا گیا۔ ۱۴۸۰ء سے ۱۵۲۴ء کے درمیان ۱۴،۳۴۴ افراد کو عقیدہ کا قانون (Act of de fe) کے تحت جلا دیا گیا جن میں بڑی تعداد ایسے مسلمانوں اور یہودیوں کی تھی جنہوں نے اپنی جان بچانے کے لیے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا لیکن ان میں یہودیت یا مسلمانیت کی کچھ خو بو باقی تھی۔ لاکھوں مسلمانوں کو ان کا سب کچھ چھین کر ان کے تین یا پندرہ سال کے بچوں کو عیسائی پادریوں کے حوالہ کر کے اور ان کے جوان اور ضعیف العمر مردوں کو خصی کر کے شمالی افریقہ کے ممالک مثلاً موریطانیہ، مراکش، تیونس اور ترکی کی جانب جلاوطن کر دیا گیا۔ ان کی عورتیں اور بچوں کو غلام بنا لیا گیا۔ ان کی مسجدوں کو عیسائی عبادت خانوں میں تبدیل کر دیا گیا (اسی وجہ سے مسجد قرطبہ اپنی حالت میں موجود ہے) یکم جنوری ۱۵۶۷ء کو غرناطہ کے عظیم کتب خانہ سے ۷۰ ہزار عربی کتابوں کو ہزاروں عیسائی خطیبوں کی موجودگی میں ایک چوک پر اسپین کے تیسرے گرینڈ انکیوزیٹر کارڈینل ایکس زیمینس Cardinal xiemes de Cisnevox (1436-1517) کے حکم سے نذرِ آتش کر دیا گیا۔ نتیجتاً اسپین کی آبادی میں زبردست گراوٹ آئی۔ ۱۵۸۶ء میں وہاں کی آبادی جو کہ آٹھ میلین افراد پر مشتمل تھی۔ ۱۶۱۵ء میں صرف پانچ میلین رہ گئی۔ اس طرح انہوں نے اپنے طور پر مورش مسئلہ کا حل تلاش لیا۔ ایک مؤرخ ویکن درد (Vacandard) کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کی اس جلاوطنی نے اسپین پر منفی اثر ڈالا کیوں کہ ملک دانش ور اور کاریگر افراد سے یکایک خالی ہو کر عقلی طور پر دیوالیہ ہو گیا، کیوں کہ اس میں سائنس داں، ریاضی داں، اساتذہ، تجار، معمار، سنگ تراش، شاعر، ادیب وغیرہ تھے۔ اسپین اگلے سو سال بعد ہی دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکا۔

(جاری....)

غزوۂ احزاب
کا مطالعہ عصر حاضر کے تناظر میں

ابوالقیس اصلاحی

انسانی تاریخ میں جب کبھی مثبت و منفی نظریات اور طاقتوں کا تصادم ہوتا ہے جس میں ایک طاقت انسانیت کو راستی اور فلاح و ترقی کی راہ پر لے جانا چاہتی ہے اور دوسری آبائی نظام کا تحفظ کرنے کے لیے آمادہ ہوتی ہے تو ایسے تصادم میں بڑا جوش وخروش ہوتا ہے۔اسلام اور جاہلیت کی کشمکش سے غزوۂ احزاب میں اسی طرح کا جوش وخروش کا سماں دکھائی دیتا ہے۔

غزوۂ احد کے بعد کفار قریش کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور وہ بڑے فخر وغرور کے ساتھ کہتے تھے کہ ہم نے احد میں بدر کی شکست کا حتی الامکان بدلہ لے لیا ہے۔حمزہ جیسے بہادر کو خاک میں ملا دیا،خود محمد بن عبداللہ کو اپنے چنگل میں لے لیا تھا بدقسمتی سے وہ ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے لیکن تب بھی ہم نے ان کے چہرے کو پتھروں سے لہولہان کر دیا تھا لیکن محمدؐ کے ساتھیوں نے اپنے سینوں پر تیروں کو روک لیا،تلواروں کی ضربوں سے اپنے جسم کو زخمی کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بچا لے گئے۔اس غزوے کے ٹھیک دو سال بعد دونوں لشکروں میں پھر مڈبھیڑ ہوئی۔یہ مڈبھیڑ غزوۂ خندق میں ہوئی جس کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:

پس منظر:

غزوۂ احزاب اسلامی غزوات میں تیسرا بڑا معرکہ تھا جس میں کفار ومشرکین کا متحدہ لشکر تھا جو مدینۃ النبی محمد ﷺ اور اصحاب رسولؐ کو اس دنیا سے ختم کرنے کے لیے آمادہ تھا۔یہ غزوہ دو ناموں سے جانا جاتا ہے، غزوۂ خندق اور غزوۂ احزاب جو شوال ۵ھ میں پیش آیا۔بقول مولانا صفی الرحمان مبارکپوری کے غزوۂ خندق صحیح ترین قول کے مطابق شوال ۵ھ میں پیش آیا۔اس جنگ کے اصل محرک یہود تھے جنھوں نے لالچ دے کر اور انتقام کی آگ بھڑکا کر سارے عرب قبائل کو اکٹھا کیا تھا۔اس جنگ میں مسلمانوں کو کامیاب حکمت عملی اور خدائی نصرت کی وجہ سے کامیابی ملی۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

مدینہ میں مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہود کا تھا جو دولت میں،تجارت میں اور جنگی مہارت میں عربوں سے بڑھ کر تھے۔ان کا سلسلہ حجاز سے لے کر شام تک پھیلا تھا۔ان کے بیوپار اور کاروبار کے سبب سارے عرب پر ان کا اثر تھا۔وہ عربوں میں مذہبی روایات اور علم وفضل کے لحاظ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔مدینہ کے آس پاس میں یا اس کے شہروں اور آبادیوں میں ان کو اپنی دولت وتجارت کی وجہ سے بڑی قوت حاصل تھی،سب ان کی سرمایہ داری کے بوجھ کے نیچے دبے ہوئے تھے۔اوس وخزرج کے کسان ومزدور جو کچھ پیدا کرتے تھے وہ سب ان کے قلعوں وکوٹھیوں کی نذر ہوجاتا تھا۔عربوں کی ملکیت یہودیوں کے ہاتھوں گروی رہتی۔ان یہودیوں میں تین قبائل تھے (۱) بنو قینقاع (۲) بنونضیر (۳) بنو قریظہ۔ان تینوں قبائل کو ان کی سازشوں اور بدعملیوں کی وجہ سے جلاوطن کرنا پڑا تھا۔یہ تینوں قبیلے جہاں مدینہ میں مسلمانوں کے لیے دردِ سر تھے وہیں بیرونِ مدینہ بھی اسلام ومسلمانوں کے لیے حد درجہ نقصاندہ تھے۔ان قبیلوں میں بنونضیر سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔

ابوسلیم محمد عبدالحیؒ حیات طیبہ میں لکھتے ہیں:

''بنونضیر مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انہوں نے اسلام کے خلاف ایک بڑی سازش شروع کردی، آس پاس کے قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔''

سب سے پہلے ان کے سرداروں نے مکہ جا کر قریش کو تیار کیا اور کہا کہ اگر ہم سب مل کر مسلمانوں پر حملہ کریں تو اس نئی تحریک کو ہمیشہ کے لیے کچل سکتے ہیں۔قریش تو پہلے ہی سے تیار تھے لیکن ان کی صلاحیتیں مسلمانوں کے سامنے ماند تھی اس کے بعد قبیلہ غطفان کو خیبر کی آدھی پیداوار کا لالچ دلا کر اپنے ساتھ ملایا، ساتھ ہی ساتھ بنواسد کو اپنے ساتھ لیا جو مل کر کل دس ہزار کی ایک بھاری فوج مسلمانوں کو مٹانے کے لیے تیار ہوگئی۔

مسلمانوں کی حکمت عملی

جب یہ خبر اللہ کے رسولؐ کو ملی کی سارا عرب ابوسفیان کی قیادت میں مدینہ پر حملہ آور ہونے والا ہے جس کی تعداد دس ہزار ہے تو آپؐ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا۔دفاعی منصوبہ اور صلاح و مشورہ کے لیے اہل شوریٰ نے غور وخوض کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کی ایک تجویز متفقہ طور پر منظور کی۔حضرت سلمان فارسی نے فرمایا:''اے اللہ کے رسولؐ، فارس میں جب ہمارا محاصرہ کیا جاتا تھا تو ہم اپنے ارد گرد خندق کھود لیتے تھے۔ اس جنگی حکمت عملی سے اہل عرب ناواقف تھے۔ آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمایا۔مدینہ تین اطراف سے مکان ونخلستان سے گھرا ہوا تھا اور صرف ایک طرف سے کھلا تھا۔تین ہزار صحابہ کرام نے ۲۰ دنوں کی محنت سے اس خندق کو کھودنے کا کام پورا کیا۔ایک مقام پر ایک چٹان ملی جو ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی،رسولؐ نے اس پر ایک کدال سے ایسی ضرب لگائی کہ چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی،خندق کے دوران آپؐ کے باقی معجزات میں سے یہ ایک معجزہ تھا۔

دوسری بڑی حکمت عملی اس غزوہ میں نعیم بن مسعودؓ کی تھی جو قبیلہ غطفان سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ان ہی دنوں میں اسلام لے آئے تھے۔وہ رسولؐ کی خدمت میں جب حاضر ہوئے اور کہا کہ میں ہر ایسا کام کرنے کے لیے تیار ہوں جو آپؐ حکم فرمائیں ۔آپؐ نے فرمایا ''تم ہمارے درمیان اپنے قبیلے کے تنہا آدمی ہو اگر تم سے ہوسکے تو اپنے قبیلے کو جنگ بندی پر آمادہ کرو کیونکہ جنگ حیلہ وتدبیر کا نام ہے۔حضرت نعیم بن مسعودؓ ابھی تک لوگوں کی نظروں میں مشرک سمجھے جارہے تھے۔ انہوں نے ایک قبیلے کو دوسرے قبیلے پر ابھارنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے چوکنا ہوگیا اوران کے دلوں میں کینہ پیدا ہوگیا۔ہر فریق دوسرے پر بدعہدی اور غداری کا الزام دینے لگا۔

قرآن میں اس غزوہ کی منظر کشی

سورۃ الأحزاب آیت نمبر ۹ تا ۲۷ میں اس غزوہ پر تفصیلی تبصرہ کیا گیا ہے،ہر آیت کو بیان کرنا مشکل ہے اس لیے اس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ تدبر قرآن میں لکھتے ہیں:

(آیت ۹ تا ۲۷) غزوہ احزاب کے واقعات پر اجمالی تبصرہ جس سے مقصود دونوں کے اندر اُس اعتماد علی اللہ اور توکل کو راسخ کرنا ہے جس کی مثال پہلی آیت میں دی گئی ہے۔باوجود یکہ کفار اپنی تمام پارٹیوں کی مجتمع قوت کے ساتھ مدینہ پر پل پڑے تھے اور منافقین نے بھی اپنی سازشوں سے مسلمانوں کے قدم اکھاڑ دینے کے لیے پورا زور لگایا لیکن اللہ نے اپنی غیبی فوجوں سے مسلمانوں کی مدد کی اور دشمنوں کو ذلیل و پسپا ہونا پڑا۔اس طرح مسلمانوں نے تمام مخالفتوں کے ساتھ اللہ پر بھروسہ کیا۔اللہ کے دین پر قائم اور اس کے رسولؐ کے وفادار و جانثار رہے تو اللہ تعالیٰ نے ہر محاذ پر ان کی مدد فرمائی۔

دور حاضر کے حالات کو جب ہم دیکھتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ آج پوری دنیا کی غیر مسلم طاقتیں اسلام کے روشن چراغ کو بجھانے کی منظم کوششیں کر رہی ہیں۔یہودی،عیسائی اور کفر کی تمام جماعتیں اس مقصد کے تحت متحد ہو چکی ہیں کہ دنیا سے اسلام اور مسلمانوں کو اس سرزمین سے مٹادیا جائے جس طرح عرب کے دیگر قبائل مل کر شوال ۵ھ میں اسلام کی طاقت کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کر رہے تھے اسی طرح آج بھی عالم اسلام یہودی، عیسائی اور مشرکین کے نرغے میں ہے اور ان کا اسلام کے خلاف اتحاد اب ڈھکا چھپا نہیں ہے۔موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ غزوۂ احزاب کے اسوہ کو اختیار کرنے کی کوشش کریں۔

مسلمانوں کے لیے درس

یہ غزوہ جو اہل کفر کے مختلف قبائل کے اتحاد اور یہودیوں کے سازش و غداری کی وجہ سے پیش آیا۔اس میں آج کے مسلمانوں کے لیے ایک طرح کا نمونہ موجود ہے کہ اگر ایسے حالات ہوں تو ہم ان حالات کا کامیابی سے مقابلہ کیسے

کر سکتے ہیں۔

۱۔حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے

اس غزوہ میں مسلمانوں نے جو جنگی تدابیر اختیار کی تاریخ میں اس سے قبل عربوں کے یہاں جنگ میں خندق کھودنے کی حکمت عملی نہیں ملتی۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی قیادت دیگر اقوام کی مفید چیزوں کو اپنے لیے استعمال کر سکتی ہے۔ خصوصا فنی اور ٹیکنکل معاملات میں۔

۲۔ امیر وماًمور میں ذمہ داریوں کی منصفانہ تقسیم

مسلمانوں نے ایک ساتھ ہو کر بلا تفریق چند دنوں میں خندق کھود کر پوری کی۔ اس پورے کام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو خندق کی کھدائی کے کام میں شامل رکھا اور ایک معمولی مزدور کی طرح کام کرتے رہے۔ کہیں پر امیر وماًمور میں کوئی فرق نظر نہیں آتا تھا۔

۳۔رسولؐ کی شخصیت کا نبوی پہلو

جس طرح اللہ کے رسولؐ نے اس غزوہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ مل کر کام کیا۔ ان کے نزدیک کوئی نا تو کوئی چھوٹا تھا اور نہ بڑا، بلکہ آپؐ کو بھی بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھنے کی ضرورت پڑی۔ یہ ایک نبی ہی کر سکتا ہے جو اپنے اصحاب کے لیے مخلص ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے لیڈروں کے لیے آپؐ کا یہ طرز عمل ایک مثالی نمونہ ہے۔

۴۔مشورہ کی اہمیت

اس غزوہ میں آپؐ نے اپنے اصحاب کو دفاعی منصوبے پر صلاح ومشورہ کے لیے جمع کیا اور اہل شوریٰ نے غور وخوض کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز کو متفقہ طور پر منظور کیا جب کہ وہ اہل عرب میں سے نہیں تھے بلکہ اہل عجم میں سے تھے لیکن علاقائیت بیچ میں روکاوٹ نہیں بنی۔ خود اللہ کے رسولؐ جس طرح چاہتے اس غزوہ کو اپنی مرضی سے لڑتے لیکن آپؐ کے نزدیک امت کو یہ درس دینا تھا کہ مشورہ کامیابی کا اہم زینہ ہوتا ہے۔ اسلام آمرانہ مزاج کو فروغ نہیں دیتا۔ مسلمانوں کو ہر دور میں اس بات سے سبق لینے کی ضرورت ہے کیونکہ جس کو ہم ادنیٰ سمجھتے ہیں ہوسکتا ہے اس کے مشورے سب سے اچھے ہوں۔

۵۔غزوہ میں مسلمانوں کو کیوں فتح ہوئی؟

فتح یاب ہونے کے لیے پہلی شرط اللہ پر بھروسہ، دوسری شرط ثابت قدمی، صبر واستقلال اور تیسری شرط بارگاہ الٰہی میں دعا ومناجات۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَرَدَّ اللهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللهُ قَوِيًّا عَزِيزًا (الأحزاب:۲۵)

’’اور اللہ نے کفار کا منہ پھیر دیا، وہ کوئی فائدہ حاصل کیے بغیر اپنے دل کی جلن لیے یونہی لوٹ گئے اور مومنین کی طرف سے اللہ ہی لڑنے کے لیے کافی ہوگیا، اللہ بڑی قوت والا ہے۔‘‘

اس کے علاوہ اور وجوہات مسلمانوں کی فتح یابی کی ہوسکتی ہیں۔ اس دور میں اگر باطل اقوام مسلمانوں کے خلاف متحد ہورہی ہیں اور وہ اپنی صلاحتیں استعمال کررہی ہیں تو اس نازک وقت میں ہم اپنے اللہ سے تعلق کو بڑھائیں، حکمت سے کام لیں اور امت کو متحد ہوکر دشمنان اسلام سے مقابلہ کے لئے تیار کریں۔ قائدین اپنے آپ کو نبوی قیادت سے قریب تر کرنے کی کوشش کریں اور عوام کے شعور کو بیدار کرنے میں اپنا رول ادا کریں۔ ہر حال میں اپنے رب کا شکر ادا کریں۔

●●●

فارم نمبر چار(4) Form

مالک : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سہاش چوک آکولہ۔

پرنٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سہاش چوک آکولہ۔

ایڈیٹر : شیخ نثار شیخ چاند

قومیت : ہندوستانی

پتہ : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سہاش چوک آکولہ۔

وقفہ اشاعت : ماہانہ

مقام اشاعت : پہلا منزلہ بسیرا اپارٹمنٹ کے سامنے سہاش چوک آکولہ۔

میں پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر شیخ نثار شیخ چاند اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔

دستخط : شیخ نثار شیخ چاند

☼☼☼

زندگی اور موت کا اسلامی تصوّر

حذیفہ احمد جاوید

نظیر اکبر آبادیؒ کی نظم بنجارا نامہ یقیناً ہماری نظروں کے سامنے سے گزری ہوگی جس میں واضح طور پر یہ بیان کیا گیا ہے کہ زندگی کی حقیقت موت ہے بلکہ یوں کہنا بے جانہ ہوگا کہ زندگی بغیر موت کے وجود ہی نہیں رکھتی۔ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ انسان زندگی سے دور اور موت سے قریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ موت ایک ایسی یقینی شئے ہے جسکے بارے میں نا پہلے کسی نے شک کیا نا آئندہ کوئی کرے گا۔ سوال یہ ہے کہ جب موت زندگی کے ساتھ جڑی ہوئی ایک لازمی کیفیت ہے تو پھر انسان جو عقل و دانش میں سب سے بڑھ کر ہے وہ اس سے غافل کیوں رہتا ہے۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے موت کو اجل کے لفظ سے بھی تعبیر فرمایا ہے جس کے معنی ہے کسی چیز کا مقرّر وقت جو کسی قیمت پر نہ ٹلے۔ احادیث میں حضور اقدس ﷺ نے موت سے پیشتر اسکی تیاری کرنے کی ترغیب دی ہے۔

سورۃ الحدید میں اللہ پاک نے زندگی کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ خوب جان لو کہ! دنیا کی زندگی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک کھیل اور دل لگی اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور تمہارا ایک دوسرے پر فخر جتانا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرنا ہے۔ اسی طرح دنیا کو اکثر مقامات پر متاعِ قلیل اور دھوکے کا سامان قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان کو زندگی بھر چوکنّا اور ہوشیار رہنے کی ترغیب دی۔ نبی آخر الزماںؐ نے اپنے اصحاب کو دنیا میں اجنبی یا راہ چلتے مسافر کا سا طریقہ اختیار کرنے کی ترغیب دی جس کا سامانِ سفر بہت تھوڑا اور منزل پر پہنچنے کا شوق زیادہ ہوتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی احسن تخلیق کی، اکرام سے نوازا، عقل و دانش سے سرفراز کیا اور دنیا کی ہر چیز کو انسان کے لیے مزین کیا جو اس کے لیے نفع بخش ہو۔ ایسے میں وفاداری کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ہر وقت انسان جذبۂ شکر سے اس خدا کے آگے جھکا رہتا لیکن بدلے میں اس نے خدا کی مخلوق کو ہی خدائی میں شریک ٹھہرا دیا اور یومِ الست کے وعدے کو پشت ڈال دیا جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اسکی پیدائش کا مقصد یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ، میں نے جن اور انسان کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں اور اسکی خدائی کا اعلان اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اس کی بندگی کر کے کریں۔ یہی نہیں کہ اس دنیا میں انسان کو خدا نے صرف بھیج دیا بلکہ ہر لمحہ وہ یہ بھی دیکھ رہا ہے کہ کیا واقعی میرا بندہ میری ہی عبادت کرتا ہے یا پھر میرے حکم سے انحراف کرتا ہے۔ اسی امتحان اور جائزہ کے لیے اس نے موت و حیات کا نظام قائم کیا، اچھی اور بری سبیل بنائی، شکر اور کفر کے جذبوں سے آراستہ کیا تا کہ صحیح معنوں میں امتحان کا مقصد پورا ہو سکے۔ سورۃ الکھف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ سر و سامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تا کہ لوگوں کو آزمائیں کہ اِن میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ وہیں دوسری جانب سورۃ الملک میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔ موت اگرچہ ایک یقینی کیفیت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں لیکن پھر بھی دنیا کی رنگینیاں اور رعنائیاں انسان کو اِس کی طرف متوجہ ہونے کا موقع فراہم نہیں کرتیں اور انسان اسی بے حقیقت دنیا کے تعاقب میں لقمہ اجل بن جاتا

ہے۔جوں ہی انسان دنیا کے تعیّش سے لطف اندوز ہونے لگتا ہے تو پھر اسے یہ دنیا ہر دلعزیز ہو جاتی ہے اور وہ اس کے چھوٹنے کے خیال سے گھبرانے لگتا ہے۔عیش پسندی، لمبی لمبی آرزوئیں وغیرہ وہ مہلک بیماریاں ہیں جن کے دام میں آکر انسان اس دنیا کے فریب میں پھنستا چلا جاتا ہے اور بالآخر موت اس کے نزدیک سب سے زیادہ یقینی شۓ ہونے کے بعد بھی سب سے زیادہ ڈراؤنی نظر آنے لگتی ہے اور وہ اس سے بچنے کے لیے ہر طرح کے بے اثر حربے استعمال کرڈالتا ہے پھر بھی اس سے پیچھا نہیں چھڑا پاتا۔

موت کو سمجھے ہے غافل اختتام زندگی۔۔۔۔

ہے یہ شام زندگی، صبح دوام زندگی۔۔۔۔

یہی موت کا خوف انسان کے اندر وھن یعنی دنیا کی محبت کو ابھارتا ہے اور اِس کے بعد بڑے سے بڑے دینی گروہ کی حیثیت بھی سمندر کے بے وقعت جھاگ سے زیادہ نہیں رہ جاتی۔ اس کے برعکس اگر انسان موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر رہتا ہے اور اپنے مالکِ حقیقی کے احکام کے آگے سربسجود زندگی گزارتا ہے تو پھر قلیل تعداد بھی وقت کی عظیم طاقتوں کو مات دینے کے لیے کافی ہو جاتی۔ ہم دنیا کے جس زیب و زینت کے لیے اپنے روزمرہ کے معمول بناتے ہیں اُسے اللہ کے نزدیک مچھّر کے پر سے زیادہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مردار چھوٹے کان والے بکری کے بچّے سے زیادہ وقعت نہیں دی۔ یہی وجہ تھی کہ جب پیارے نبیؐ نے اپنے اصحاب کی مٹھی بھر جماعت کو یہ سبق ازبر کرایا تو انہوں نے اپنی جان ہتھیلیوں پر رکھ کر قلیل اسباب اور تعداد کے باوجود دنیا کے جھوٹے خداؤں کو انکے لاؤ لشکر کے ساتھ شکست فاش دے ڈالی۔کیوں کہ اُنکے ذہنوں میں دنیا کی حقیقت روز روشن کی طرح عیاں تھی۔فرمان رسولؐ کی روشنی میں وہ لذّتوں کو کاٹنے والی موت کو کثرت سے یاد کیا کرتے تھے اور اُن میں کا ہر فرد اس چیز کا تمنّائی ہوتا کہ جلد از جلد اللہ تعالیٰ سے ملاقات نصیب ہو۔

افراد اور سماج پر موت و حیات کے اثرات

اعتقادی اور عملی اثرات

موت کی حقیقت جب ایک بندہ مومن پر واضح ہو جاتی ہے تو اسکی زندگی کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ سے قرب میں گزرتا ہے اور وہ اس بات کی فکر میں رہتا ہے کی کسی بھی طرح وہ توشہ آخرت جمع کرلے جسکو لیکر اُسے اللہ کے حضور حاضری دینی ہے۔ایسے میں اسکی فکر ایمانی پختہ سے پختہ تر ہوتی جاتی ہے اور اسکے سامنے دنیا پرستوں کا کمزور ترین پہلو اسکے مضبوط ترین motivating force میں تبدیل ہو جاتا۔ان سب کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ابدی قیام گاہ کو سجاتا چلا جاتا ہے اور لازماً اپنی دنیا کا نقصان کرتا ہے۔عمل میں پختگی اور یکسوئی، ریاکاری سے اجتناب اور بڑے سے بڑے عمل پر خود پسندی سے پرہیز اسکا منبع و مرکز ہو جاتا ہے۔ایسے میں بدی سے بڑی باطل طاقتوں کا خوف بھی اس کی فکر کو متزلزل اور قدم کو کمزور نہیں ہونے دیتا۔

نفسیاتی اثرات

موت و حیات انسانی نفسیات پر کافی گہرے اثرات ثبت کرتی ہے۔موت فطرتاً اپنے اندر ایک خوف کا پہلو پنہاں رکھتی ہے جبکہ حیات اسکے مقابلے میں لمبی آرزوؤں اور امیدوں کو پروان چڑھاتی ہے۔نفسیاتی طور پر موت سے بے خوفی انسان کو اُس درجے میں لے جاتی ہے جہاں پہنچ کر وہ جری، بے باک اور ذہنی طور پر انتہائی مضبوط بن جاتا ہے۔ایسا موت سے بے خوف فرد دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو خوف میں رکھنے کے لیے کافی ہے۔اسکے برعکس اگر موت ہماری نفسیات پر غالب آجائے تو پھر ہر زور کی آواز اپنے خلاف محسوس ہونے لگتی اور چھوٹی سی چھوٹی بیماری اور دنیاوی مشکلات ہمیں ذہنی مرض میں مبتلا کرنے کے لیے کافی ہو جاتی۔

معاشرتی اثرات

معاشرہ بالعموم اگر موت کے خوف سے دوچار ہو تو ایسے سماج میں حقوقِ انسانی کا پاس ولحاظ، ہمدردی اور رحم کے جذبات ناپید ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ایسے سماج کا اعلیٰ سے اعلیٰ فرد بھی خود کو safe zone میں رکھتا ہے اور ایسے کسی بھی اقدام سے پرہیز کرتا ہے جس میں موت جیسی حقیقت کا ادنیٰ بھر بھی شائبہ ہو اگر چہ اُس کے اس عمل سے معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہی کیوں نہ ہو جائے۔اگر معاشرے میں انسان دوستی اور آپسی تعاون ہی باقی نہ رہے تو آخر ایسے خود سر سماج کا حاصل ہی کیا جہاں لوگ وقتی دنیا کی حرص و ہوس میں اپنے ہی لوگوں کا گلا کاٹنے اور بے جا مال و اسباب جمع کرنے میں بنیادی احساسات سے بھی عاری ہو جائیں۔جبکہ حساس اور موت سے

(بقیہ صفحہ ۳۹ پر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمنوں کے خلاف بددعائیں

منہاج اسعد (متعلم جامعۃ الفلاح)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے تھے ۔ اللہ کا ارشاد ہے ’’ وما ارسلناک الا رحمة للعالمين ‘‘(ہم نے آپ کو نہیں بھیجا ہے مگر تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر)۔لیکن ایسا نہیں ہے کہ آپؐ کی یہ رحمت کی صفت بالکل ہی لامحدود اور مطلق ہے بلکہ آپؐ کی زندگی میں بہت سے ایسے مواقع بھی آئے ہیں جب آپؐ کی زبان مبارک سے اپنے دشمنوں کے خلاف بد دعائیں بھی نکلی ہیں ۔حقیقت میں یہ بد دعائیں بھی رحمت کا ایک حصہ ہیں ۔موجودہ دور کے بعض سیکولر اور لبرل خیال کے حضرات فریب دینے کی خاطر یہ بات پھیلاتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ آپؐ اپنے دشمنوں کے لئے صرف دعائیں ہی کی ہیں لہٰذا مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کو بد دعا نہیں دینی چاہیے۔

لیکن جب ہم سیرت نبوی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کئی ایسے مواقع ملتے ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعائیں کیں اور وہ قبول ہوئیں۔

یہاں چند احادیث اور واقعات کے ذریعے یہ بتایا جائے گا کہ کیسے آپؐ نے دشمنوں کو بد دعائیں دیں جو حرف بحرف بالکل اسی طرح پوری بھی ہوئی ہیں۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے سائے میں نماز پڑھ رہے تھے،ابو جہل اور قریش کے بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ اونٹ کی اوجھڑی لا کر کون ان پر ڈالے گا؟ مکہ کے کنارے ایک اونٹ ذبح ہوا تھا (اور اسی کی اوجھڑی لانے کے واسطے)ان سب نے اپنے آدمی بھیجے اور وہ اس اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لائے اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر (نماز پڑھتے ہوئے) ڈال دیا۔اس کے بعد فاطمہؓ آئیں اور اوجھڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت سے ہٹایا اور گندگی صاف کی۔اس موقع پر آپؐ نے فرمایا ’’اللّٰهم عليك بقريش ، اللّٰهم عليك بقريش ، اللّٰهم عليك بقريش لأبى جهل بن هشام، و عتبة بن ربيعة و شيبة بن ربيعة و وليد بن عتبة و أبى بن خلف و عقبه بن ابى معيط ‘‘

(اے اللہ قریش کو پکڑ،اے اللہ قریش کو پکڑ، ابوجھل بن ہشام،عتبہ بن ربیعہ،شیبہ بن ربیعہ،ولید بن عتبہ، ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط سب کو پکڑ لے)عبداللہ بن مسعود نے کہا چنانچہ میں نے ان سب کو جنگ بدر میں بدر کے کنوئیں میں دیکھا کہ سب کو قتل کر کے اس میں ڈال دیا گیا تھا۔ابو اسحاق نے کہا کہ وہ ساتویں شخص کا(جس کے حق میں آپؐ نے بددعا کی تھی) نام بھول گیا اور یوسف بن ابی اسحاق نے کہا کہ ان سے ابو اسحاق سے (سفیان کی روایت میں ابی بن خلف کے بجائے) امیہ بن خلف بیان کیا اور شعبہ نے کہا کہ امیہ یا ابی (شک کے ساتھ) لیکن صحیح امیہ ہے۔(صحیح بخاری ،حدیث نمبر ۳۹۳۲)

جنگ بدر کے اختتام کے بعد آپؐ اس کنویں کے پاس تشریف لائے جس میں ان مجرمین کی لاشیں ڈال دی گئی تھیں، اس کے منڈیر پر کھڑے ہو کر ان میں سے ایک ایک شخص کا نام لے کر پکارا ’’اے ابو جہل بن ہشام! اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! اے امیہ بن خلف! تمہارے رب نے تم سے جس عذاب کا وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے نہیں پایا؟ اور میرے رب نے مجھ سے جس فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا

اسے میں نے دیکھ لیا۔حضرت عمرؓ گویا ہوئے: یا رسول اللہ آپ ایسے لوگوں سے مخاطب ہیں جس میں روحیں نہیں ہیں۔آپؐ نے فرمایا: عمرؓ! تم ان سے بہتر نہیں سن رہے ہو" حضرت قتادہ کہتے ہیں "کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں تھوڑی دیر کے لیے زندہ کر دیا تھا تاکہ نبی کریمؐ انھیں اپنی بات سنا دیں، ان کی توبیخ، ذلت، نامرادی اور حسرت و ندامت کے لیے (بخاری، حدیث نمبر ۳۹۷۰)

ابھی میں نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں آپؐ تن تنہا اپنی نازک سی مگر جاں نثار بیٹی فاطمہ زہراؓ کے ساتھ مشرکین کے سرداروں کا ظلم جھیل رہے ہیں اور ایسے میں رحمت للعالمین ان کے ظلم و جبر پر اتنے دل گرفتہ ہو جاتے ہیں کہ بے ساختہ نام لے کر بددعا فرماتے ہیں۔

دوسرے حصے میں تقریباً ایک دہائی کے بعد جب وہ بددعا رنگ لاتی ہے تو آپؐ تیسرے دن ان کی متعفن لاشوں سے خطاب کرتے ہیں جو دعوتی خطاب نہیں، نبوی عتاب تھا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ لیتے ہیں۔جب کفار قریش حضور اقدسؐ اور آپؐ کے اصحاب پر بے پناہ مظالم ڈھانے لگے جو ضبط و برداشت سے باہر تھے تو آپؐ نے ان کی سرکشی کا علاج کرنے کے لیے ان لوگوں کے حق میں قحط کی بددعا کی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر قحط کا ایسا شدید عذاب بھیجا کہ اہل مکہ سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ بھوک سے بے تاب ہو کر مردار جانوروں کی ہڈیاں اور سوکھے چمڑے اُبال اُبال کر کھانے لگے چنانچہ ابوسفیان بحالت کفر چند روسائے قریش کو ساتھ لے کر آپؐ کے آستانہ رحمت پر حاضر ہوئے اور گڑگڑا کر کہنے لگے: اے محمد! (ﷺ) تمہاری قوم برباد ہو گئی، خدا سے دعا کرو کہ یہ قحط کا عذاب ٹل جائے۔آپؐ کو ان کی بے قراری اور گریہ وزاری پر رحم آ گیا چنانچہ آپؐ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو فوراً ہی آپؐ کی دعا قبول ہوئی اور اس قدر زوردار بارش ہوئی کہ سارا عرب سیراب ہو گیا اور اہل مکہ کو قحط کے عذاب سے نجات ملی۔(بخاری جلد ا،ص ۱۳۷،ابواب الاستسقاء و بخاری جلد ۲ص ۷۱۲،تفسیر سورہ دخان)

ایک مرتبہ ابولہب کے بیٹے عتبہ نے بارگاہ نبوت میں گستاخی کی، یہاں تک کہ بدزبانی کرتے ہوئے حضور رحمۃ للعالمینؐ پر جھپٹ پڑا اور آپؐ کے مقدس پیراہن کو پھاڑ ڈالا۔اس گستاخ کی بے ادبی سے آپؐ کے قلب پر انتہائی رنج و صدمہ گزرا اور جوش غم میں آپؐ کی زبان مبارک سے بددعا کے یہ الفاظ نکلے "اللّٰھم سلط علیه کلبا من کلابک" (اے اللہ! اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو اس پر مسلط فرما) چنانچہ جب ایک مرتبہ ابولہب اور عتبہ تجارت کے لیے ملک شام گئے تو رات کے وقت مقام زرقا میں ایک راہب کے پاس ٹھہرے، اس نے بتایا کہ یہاں درندے بہت ہیں اس لیے تمام لوگ ہوشیار رہنا۔یہ سن کر ابولہب نے قافلے والوں سے کہا کہ اے لوگو! محمدؐ نے میرے بیٹے کے لیے ہلاکت کی دعا کی ہے۔لہٰذا تم لوگ تمام تجارتی سامانوں کو اکٹھا کر کے اس کے اوپر عتبہ کا بستر لگا دو اور سب لوگ اس کے ارد گرد سو جاؤ تاکہ میرا بیٹا درندوں کے حملے سے محفوظ رہے چنانچہ قافلہ والوں نے حفاظت کا پورا انتظام کیا لیکن رات کے وقت اچانک ایک شیر آیا اور سب کو سونگھتے ہوئے کود کر عتبہ کے بستر پر پہنچا اور اس کے سر کو چبا ڈالا اور اس طرح وہ مر گیا بعد میں لوگوں نے شیر کو بہت تلاش کیا مگر پتہ نہیں چلا کہ شیر کہاں سے آیا تھا اور کدھر چلا گیا۔

امیہ بن خلف مکہ کا ایک سردار تھا اس کے لیے بھی آپؐ نے بددعا کی تھی۔جنگ بدر کے دن جنگ کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف نے اس سے ایک معاہدہ کر لیا تھا اور اسے امان دے دی تھی۔وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسے لوگوں کی نظروں سے بچانے کے لیے پہاڑ کی طرف لے گیا۔لیکن بلالؓ نے دیکھ لیا اور فوراً ہی انصار کی ایک مجلس میں آئے اور مجلس والوں سے کہا کہ یہ دیکھو امیہ بن خلف (کافر دشمن اسلام) ادھر موجود ہے۔اگر امیہ کافر بچ گیا تو میری ناکامی ہوگی، چنانچہ ان کے ساتھ انصار کی ایک جماعت ہمارے پیچھے ہو گئی جب مجھے خوف ہوا کہ اب یہ لوگ ہمیں آ لیں گے تو میں نے اس کے لڑکے کو آگے کر دیا تاکہ اس کے ساتھ (آنے والی جماعت) مشغول رہے لیکن ان لوگوں نے اسے قتل کر دیا اور پھر ہماری ہی طرف بڑھنے لگے۔امیہ بہت بھاری جسم کا تھا۔آخر جب جماعت انصار نے ہمیں آ لیا تو میں نے اس سے کہا زمین پر لیٹ جا۔جب وہ زمین پر لیٹ گیا تو میں نے اس کے اوپر اپنا جسم ڈال دیا تاکہ لوگوں کو روک سکوں لیکن لوگوں نے میرے جسم کے نیچے سے اس کے جسم پر تلوار کی ضربات لگائیں اور اسے قتل کر کے ہی چھوڑا۔
(صحیح بخاری، حدیث نمبر ۲۳۰۱)

اس طرح آپؐ نے اس کے لیے جو بددعا کی تھی وہ پوری ہوئی۔اسی طرح جس جس گستاخ کے

لیے آپؐ نے بد دعا کی وہ اس کے حق میں حرف بحرف پوری ہوئی ۔ ابی بن خلف آپؐ کے ہاتھوں قتل ہوا۔گستاخ رسولؐ بشر منافق حضرت عمرؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔گستاخ رسولؐ ابولہب کی بیوی کا فرشتے نے گلا گھونٹ دیا۔اسی طرح ابو جہل جو اس امت کا فرعون تھا اسے دو ننھے مجاہدوں نے جنگ بدر میں اپنے ہاتھوں سے قتل کیا جن کا نام معاذؓ ومعوذؓ تھا۔ امیہ بن خلف بلالؓ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اسی طرح گستاخ رسولؐ نصر بن حارث کو حضرت علیؓ نے جہنم واصل کیا۔ جنگ احد کے بعد بئر معونہ اور رجیع کے المناک واقعات پیش آئے ۔ کچھ قبائل مدینہ آئے اور اسلام سے دلچسپی کا اظہار کیا اور نبی کریمؐ سے درخواست کی کہ انکے ساتھ دین سکھانے کے لئے کچھ لوگوں کو بھیج دیا جائے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے 70 سے زائد صحابہ کو انکے ساتھ بھیجا۔لیکن ان قبائل نے غداری کی اور تمام صحابہ کو قتل کر دیا۔ان واقعات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر غمگین ہوئے کہ جن قبائل اور قوموں نے ان صحابہ کرام کے ساتھ غدر و قتل کا یہ سلوک کیا تھا ان پر آپؐ نے ایک ماہ تک بد دعاء فرمائی۔نماز فجر میں قنوت نازلہ اس وقت تک پڑھتے رہے جب تک اللہ نے منع نہ کر دیا۔مذکورہ بالا واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ظالموں کے خلاف بد دعا کرنا بھی اسوۂ رسول ہے ۔خصوصا اس وقت جب آدمی ظالم کا ہاتھ پکڑنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس کے خلاف دعا ہی ایک ہتھیار بچتا ہے ۔بدقسمتی سے کچھ روشن خیال ہمارے درمیان ایسے بھی پیدا ہو گئے ہیں جو دشمنوں کے خلاف بد دعا کے منکر نظر آتے ہیں اور اس کے لئے آدھے ادھورے سیرت کے واقعات بیان کرتے نظر آتے ہیں ۔

●●●

فلسطین

علی اُویس جعفری چاند پور

یا رب دلِ بے چین کو ہو مژدۂ تسکین
مغلوب ہو اسلام سے ہر کینہ ورِ دین

تحقیق کہ تم ہمتِ پرواز کی تلقین
اقبالؒ کی اُس کار گہِ فکر میں شاہین
ہم پلّۂ مرداں صفِ اطفالِ فلسطین
مغلوب ہو اسلام سے ہر کینہ ورِ دین

تم جذبۂ قربانی و ایثار کی تحسین
چرچا ہے تمھارا عَرَبستان سے تا چین
رکّھے تمھیں اللہ جہاں بان و جہاں بین
مغلوب ہو اسلام سے ہر کینہ ورِ دین

مَردوں کی دلیری کا وہاں کیسے بیاں ہو
عورت بھی عدوّوں پہ جہاں تیغِ رواں ہو
بچے بھی جہاں جامِ شہادت کے ہوں شوقین
مغلوب ہو اسلام سے ہر کینہ ورِ دین

اے غوطہ زنِ بحرِ شجاعت تری جرأت
یہ عزمِ مصمَّم ترا، یہ زور، یہ ہمت
حق یہ ہے کہ تو ملتِ بیضا کی ہے تمکین
مغلوب ہو اسلام سے ہر کینہ ورِ دین

ہوتے ہیں تری خاک سے پیدا وہ مجاہد
غیرت میں سوا معرکہ آرائی میں زائد
تو رشکِ جہاں کیوں نہ ہو اے ارضِ فلسطین
مغلوب ہو اسلام سے ہر کینہ ورِ دین

کیا تجھ کو خبر دشمن حق ان کے جنوں کی
قربانی بے لوث ہے ہر قطرۂ خوں کی
کرتے ہیں شہادت کی دعا کہتے ہیں آمین
مغلوب ہو اسلام سے ہر کینہ ورِ دین

سینے میں کہیں دل ہو تو کچھ لے وہ اثر بھی
بینائی ہو آنکھوں میں تو پھر آئے نظر بھی
کس شوق سے کرتے ہیں وہ ہر شوق کی تدفین
مغلوب ہو اسلام سے ہر کینہ ورِ دین

جس قوم سے ہوں ظلم شعار ایک ہیں سارے
واللہ، یہ شیطان کے یار ایک ہیں سارے
کیوں آئے نظر ان کو بھلا چہرۂ غمگین
مغلوب ہو اسلام سے ہر کینہ ورِ دین

مظلوم کی عزت کو بناتے ہو کھلونا
کمزور کی عِصمت کو بناتے ہو کھلونا
توقیر ہے کل حشر کی یہ آج کی توہین
مغلوب ہو اسلام سے ہر کینہ ورِ دین

دجّال کا ہر نقش و نشاں دیکھنے والے
فرعون کی آنکھوں سے جہاں دیکھنے والے
تجھ ایسے جہاں بین پہ نفرین ہو نفرین
مغلوب ہو اسلام سے ہر کینہ ورِ دین

ظالم کی مدد ہوتی ہے یوں ظلم کا سہنا
مظلوم اُویسؔ اور ہمیں اب نہیں رہنا
دنیا میں چلے عدل کا انصاف کا آئین
مغلوب ہو اسلام سے ہر کینہ ورِ دین

●●●

ہجومی تشدد
اتفاق یا پھر منصوبہ بند سازش؟

مرزا عادل بیگ، پوسد

"اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا مقابلہ کرتے ہیں۔" (القرآن)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لوگ جب ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ سب کو عذاب میں پکڑ لیں۔" (ابوداؤد)

"ظلم کے خلاف جو قوم آواز نہیں اٹھاتی وہ قوم لاشیں اٹھاتی ہیں۔" (حضرت علیؓ)

"ظلم کے خلاف آواز جتنا دیر سے اٹھاوں گے نقصان اتنا ہی زیادہ اٹھانا پڑیں گا۔"

(حضرت امام حسینؓ)

آج ماب لینچنگ فرقہ پرست اور زعفرانی ذہنیت رکھنے والی اقتدار پر قابض حکومت کا ہتھیار بن چکا ہے، ماب لینچنگ یعنی کسی ایک فرد کو اس کے مذہب کے بنا پر، اس کی شناخت کی بنا پر، اس کے لباس کے بنا پر بھیڑ کی شکل میں حملہ کرنا، مارنا، زدوکوب کرنا، یہاں تک کہ اس کی جان چلی جائے۔ ملک کی حالت کیا ہو رہی ہے آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں، ایک طرف

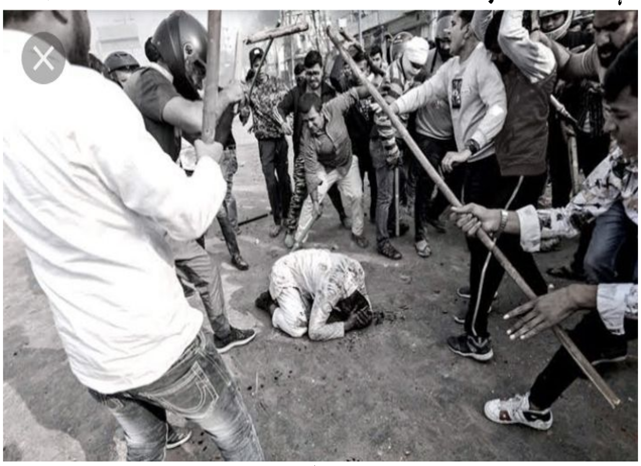

کرونا وباء کی وجہ سے لگے لاک ڈاؤن نے ملک کی معیشت کو تباہ و برباد کر دیا ہے تو دوسری طرف حکومت کی داخلہ اور خارجہ پالیسی سمجھ سے بالاتر ہے۔ مہنگائی اور بے روزگاری نے ملک کے تمام ریکارڈ کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ ملک کی گری ہوئی جی۔ ڈی۔ پی دیکھ کر ملک کی خستہ حالی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ بھوک مری اور بے روزگاری اس ملک کو خانہ جنگی کی طرف لے کر جارہی ہے۔

آج کرونا وائرس سے متاثرین کی تعداد 2 کروڑ 72 لاکھ کے پار ہو چکی ہے اور 3 لاکھ 11 ہزار کے قریب اموات ہو چکی ہیں، وہیں صحت یاب ہو کر گھر لوٹنے والے افراد کی تعداد 2 کروڑ 44 لاکھ ہو چکی ہے۔ اب بلیک فنگس اور سفید فنگس جیسی بیماری کا خوف و ہراس بڑھ رہا ہے۔ آج ہمارا ملک کرونا وباء کے متاثرین کی تعداد کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر ہے۔ وہ دن دور نہیں جب ہمارا شمار نمبر ایک والی نشت پر ہو جائے گا۔ ملک کی باگ ڈور ایک ایسے ہاتھوں میں ہے جو ایک ایسی تنظیم کے اشاروں پر کام کر رہی ہے جو 1925ء سے اس ملک کو ناسور کی طرح کاٹ کھا رہی ہے۔ یہ 1925ء سے کام کر رہی پارٹی (تنظیم) جس کا دفتر ناگپور میں ہے، وہی سارے ملکی معاملات کے دیکھ بھال میں بنیادی کردار ادا کر رہی ہے۔ اس تنظیم کی 95 سالہ کارکردگی کا جائزہ لیا جائے تو نفرت، سازش، دھوکہ بازیاں، فریب، خون خرابہ، قتل و غارت گری، خوف و ہراس کا ماحول تیار کرنا، اقلیتی افراد کو جھوٹے مقدمات میں پھنسانا، بم بلاسٹ کرا کر بے گناہ اقلیتی نوجوانوں کو پھنسانا، لو جہاد کا جھوٹا

پروپیگنڈہ کرنا، اقلیتی طبقات کے خلاف نفرت کا ماحول تیار کرنا، ملک میں دنگا وفسادات کرانا، اوقاف کی زمینوں پر ناجائز قبضہ کرنا وغیرہ اس خونی دہشت گرد تنظیم کے اہم کام ہیں۔ اس نے کبھی شدھی کرن کی تحریک چلائی تو کبھی گھر واپسی کی، کبھی لو جہاد تو کبھی ہم دو ہمارے دو، کبھی بیٹی بچاؤ بہو لاؤ، تو کبھی رام جنم بھومی، جیسی تحریکات کو فروغ دینے کا کام کیا ہے۔ اب اس تنظیم کے ذریعے نیا حربہ لایا گیا ہے جس کو ماب لینچنگ یا ہجومی تشدد کہتے ہے۔

ماب لینچنگ کا پہلا تجربہ 2 جون 2014ء کو مہاراشٹر ریاست کے اہم شہر پونہ میں پیش آیا تھا۔ پونہ شہر کے علاقے بھوسری میں عشاء کی نماز پڑھ کر جارہے نوجوان انجینئر محسن شیخ کو اس تنظیم کے تربیت یافتہ جوانوں نے نشانہ بنایا اور ایک ذہین نوجوان جس کے کندھوں پر خاندان کی ذمہ داری تھی اسے پتھروں سے مار مار کر شہید کر دیا گیا۔ ہم اور ہماری بھولی بھالی، امن پرست تنظیموں نے اسے ایک اتفاقاً ہونے والا حادثہ سمجھا اور ہم خاموش رہے۔ پھر اس تجربہ کو ملک کی الگ الگ ریاستوں میں شروع کیا گیا۔ آج حالات یہ ہیں کہ اس ماب لنچنگ کی زد میں 100 کے قریب افراد (اقلیتی) کو نشانہ بنا کر بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ ان 100 افراد کے واقعات کا جائزہ لیا جائے تو کچھ اہم سوالات ذہن میں آتے ہیں۔

(1) ہجومی تشدد کا نشانہ صرف اور صرف اقلیتی طبقات سے تعلق رکھنے والے ہی کیوں بن رہے ہے؟

(2) اس قدر نفرت کا ماحول کون تیار کر رہا ہے کہ لوگ ایک اجنبی انسان کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں؟

(3) گاؤں والے، بستی والے، تمام لوگ، کبھی بچہ چوری، گؤتسکری، کرنی جادوگری، اور کفریہ کلمات کے نام پر اس قدر مشتعل ہو جاتے ہے!!! آخر کون ہے جو یہ جھوٹی خبریں پھیلا کر ماحول کو اس قدر نفرت آمیز بنا رہا ہے؟

(4) واردات انجام دینے تک پولس کیا کرتی ہے اور کہاں رہتی ہے؟

(5) ہجومی تشدد پر مرکزی حکومت قانون کیوں نہیں بناتی؟

(6) ہجومی تشدد کا نشانہ بنانے کے لیے عوام کو کون اکساتا ہے، یہ انجان بھیڑ متحد کس طرح ہو جاتی ہے؟

(7) فیس بک، واٹس اپ اور سوشل میڈیا پر کون نفرت انگیز پوسٹ وائرل کرتا ہے؟

ماب لینچنگ، اب اس سماج کا حصہ بن چکا ہے۔ ہر دن مسلمانوں کے ساتھ ایسی وارداتیں انجام دی جاتی ہیں۔ ملک کے الگ الگ شہروں میں بے گناہ مسلم نوجوانوں، مسلم بزرگوں، بچوں کو نشانہ بنا کر حملہ کیا جاتا ہے، کبھی بچہ چوری، کبھی گائے کی تسکری، کبھی گوشت، کبھی کفریہ کلمات بولنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے، نہ بولنے پر لہولہان کرتے ہیں، مارتے ہیں، توڑتے ہیں اور ان تمام حرکات کا ویڈیو وائرل کرتے ہے اور پھر اس ملک کی پر امن فضاء کو آلودہ کرتے ہیں۔ پھر سیاسی حضرات اس پر اپنی سیاسی دوکان چلاتے ہیں۔

ہجومی تشدد کا شکار محسن شیخ انجینئر (پونہ)، اخلاق (دادری)، افرازل (راجستھان)، سیف اللہ (مدھیہ پردیش)، حافظ جنید (دہلی)، مولانا قاسمی (مدراس)، مدرسہ کا طالب علم نوید (دہلی)، پہلو خان (راجستھان/ ہریانہ)، تبریز انصاری (جھارکھنڈ)، علیم الدین (جھارکھنڈ)، قاسم (راجستھان)، صبغت اللہ (جھارکھنڈ)، آفتاب احمد (گڑگاؤں)، اخلاق کرمانی (پانی پت، ہریانہ)۔ ابھی حال ہی میں آصف، (باڈی بلڈر) اور فیصل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ماب لینچنگ کے زیادہ تر حادثات جھارکھنڈ، راجستھان، اتر پردیش، ہریانہ، مدھیہ پردیش اور بہار میں ہو رہے ہیں۔

ماب لینچنگ اتفاقاً ہونے والا واقعات نہیں ہیں، بلکہ اسے سوچ سمجھ کر انجام دیا جا رہا ہے۔ آزادی کے بعد سے فرقہ پرست طاقتیں اپنے سیاسی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ایسے حربے استعمال کرتی رہی ہیں، دنگا، فسادات، انکاونٹرس، بمب بلاسٹ، بے وجہ نوجوانوں کی گرفتاری اور اب ماب لینچنگ ماضی کے سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ اس ملک کی سب سے بڑی فرقہ پرست اور دہشت گرد تنظیم کی طرف سے اسے خصوصی طور پر اقلیتی طبقات کو ذلیل کرنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے، اقلیتی طبقات کو خوف و ہراس میں مبتلا رکھا جائے، انھیں دوسرے درجہ کا شہری بنانے کی کوشش، ان کے حقوق کو پامال کرنا اور ایک شخص کی بلی چڑھا کر اس کے خاندان کو تباہ و برباد کر دینا اس گھنونی سازش کا ایک اہم اہم حصہ نظر آتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ ماب لنچینگ کی واردات ایسی جگہ انجام دی جاتی ہیں جہاں اقلیتی طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد نہ ہوں۔ ہجومی تشدد سے اگر کوئی بچ جائے تو باقی کا کام پولس بخوبی انجام دیتی ہے۔ اسے تھانہ میں لا کر تڑپا تڑپا کر مار ڈالتی ہے، صحیح وقت پر اسپتال نہیں لے جاتی بلکہ تھانہ میں زخمی حالت میں تڑپتا ہوا چھوڑ دیتی ہے۔ ایسے کئی واقعات سامنے آچکے ہے۔

ماب لنچینگ کا زیادہ تر شکار مسافر، دور دراز علاقے میں کام کرنے والے افراد، مویشی کی خرید و فروخت کرنے والے تاجر، ٹرکوں اور لاریوں میں کام کرنے والے مزدور، ڈرائیور، جنگلوں میں کٹائی کرنے والے مزدور، دھاڑی پر کام کرنے والے اس سازش کا آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں۔ اب تو زیادہ تر مساجد سے تعلق رکھنے والے افراد، مدارس میں پڑھنے والے طلبہ و طالبات وغیرہ کو بھی آسانی سے اس جال میں پھنسایا جا رہا ہے۔ جس طرح برما سے روہنگیا مسلمانوں کو نفرت کا شکار بنا کر ملک بدر کیا گیا ویسا ہی اس ملک میں کرنے کا ارادہ صاف طور پر نظر آرہا ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس ملک کے اقلیتی طبقات کی گھیرابندی کا کام شروع ہو چکا ہے، اس کے بعد انھیں ملک سے کھدیڑ دیا جائے گا۔ ان کی نسل کشی کی جائے گی۔ اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا۔ ماب لنچنگ کوئی اتفاقاً ہونے والے حادثات نہیں ہیں بلکہ اسے منصوبہ بند طریقے سے انجام دیا جا رہا ہے۔ اب اقلیتی طبقات کی ذمہ داری ہے کہ اس گھناؤنے حربے سے نمٹنے کے لیے وہ کس طرح کی تیاری کرتی ہے۔ اس منصوبہ بند سازش کے خلاف کس طرح سے آواز اٹھاتی ہے۔ راجستھان اور مغربی بنگال کی طرز پر ملکی سطح پر قانون بنانے کے لیے کس طرح دباؤ بناتی ہے یا پھر اپنے دفاع کے لیے کون سے موثر اقدامات اٹھاتی ہے یا پھر اسے اتفاقً ہونے والے واقعات سمجھ کر اپنی باری کا انتظار کرتی ہیں۔

●●●

اے ارضِ فلسطین

جگر بچھانے کی آرزو ہے

ستم کی بے تاب بجلیوں سے نظر ملانے کی آرزو ہے
تمہارے بزمی کو شاہِ بطحاؐ کہاں زمانے کی آرزو ہے
صہیبؓ بن کر بلالؓ بن کر عزیمتوں کی مثال بن کر
حرم کی تپتی ہوئی زمیں پر جگر بچھانے کی آرزو ہے
وہ کوہِ کابل سے کربلا تک لہو لہو قافلوں کا منظر
وہ خارزاروں کی سرزمیں پر قدم قدم آبلوں کا منظر
عروجِ آدم کا اک قصیدہ جہان سے بدگمان لاشیں
کفن دریدہ ستم رسیدہ یہ سربریدہ جوان لاشیں
حکایتِ کوہسارِ غزنی شکایتِ آبِ رودِ دجلہ
لہو میں ڈوبی ہوئی صدائیں سنا رہی ہے زمینِ اقصیٰ
صدائے فرعون سن رہا ہوں صدائے نمرود آرہی ہے
کہ سامریوں کے سلسلے ہیں کہ یادِ اخدود آرہی ہے
بغیر مرہم پہ زخم سارے تمہیں دکھانے کی آرزو ہے
تمہارے بزمی کو شاہِ بطحاؐ کہاں زمانے کی آرزو ہے
سسکتی ماؤں بلکتے بچو یتیم بہنو شہید روحو
تمہارے دم سے ہے کفر لرزاں تمہیں تو امت کی آبرو ہو
سمٹ رہی ہے خزاں کی چادر بہار آنے کی آرزو ہے
تمہارے بزمی کو شاہِ بطحاؐ کہاں زمانے کی آرزو ہے
جگر کو عزمِ حسینؓ مانگوں نظر کو صدقِ خلیلؑ مانگوں
میں شہرِ طائف کی وادیوں سی ادائے صبرِ جمیل مانگوں
میں بوئے باغِ بہشت پاکر کھجور ہاتھوں کے چھوڑ جاؤں
متاعِ جانِ عزیز دے دوں بھرم زمانے کے توڑ جاؤں
شرابِ کوثر کا جام پی کرکے جھوم جانے کی آرزو ہے
تمہارے بزمی کو شاہِ بطحاؐ کہاں زمانے کی آرزو ہے

سرفراز بزمیؔ

●●●

ٹوٹتا خاندان اور ماں کی ذمہ داری

سفانہ کمال فلاحی

اسلام اور کفر کی کشمکش صدیوں سے جاری ہے، اہل باطل کی سازشیں اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ فکری، علمی اور مذہبی میدانوں میں جاری ہیں۔ دوسری طرف اہل حق اپنے دین کی بقاء و تحفظ کے لیے دور حاضر کے بڑھتے ہوئے چیلنجز سے مقابلے کے لیے فکرمند اور اس کی تلافی کے لیے حتی الامکان کوشاں ہیں۔

دور حاضر کے چیلنجز میں ایک اہم ترین چیلنج خاندانی بکھراؤ ہے۔

خاندان لوگوں کے ایسے مجموعے کو کہتے ہیں جہاں لوگ ایک دوسرے سے خون اور نسبت کی بنیاد پر تعلق رکھتے ہیں، خصوصاً ایسا گھر جو والدین اور بچوں پر مشتمل ہو۔

ہم سبھی لوگ جانتے ہیں کہ مرد و عورت نکاح کے ذریعے سے تعلقات بناتے ہیں جہاں سے فیملی کا آغاز ہوتا ہے، پھر اولاد اور دور و قریب کے رشتہ داروں سے مل کر خاندان بنتا ہے جس کو قرآن نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

”یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً“

”اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور پھر جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت پھیلا دیئے۔“

اس آیت کریمہ میں ہمارا خالق یہ بتا رہا ہے کہ آپسی تعلقات کو کن بنیادوں پر قائم کرنا ہے جس سے سماج مضبوط ہوگا اور انتشار سے محفوظ رہے گا۔ وہ بنیاد ہے ”وَاتَّقُوا اللہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ“ ”اللہ سے ڈر کر زندگی گزارو، اللہ سے ڈر کر ایک دوسرے سے تعلقات بناؤ۔“

آخر میں جو بات اس میں بتائی گئی وہ یہ کہ اللہ تم پر نگراں ہے، اُس نے پیدا کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ وہ رقیب ہے، وہ دیکھ رہا ہے کہ تم کس طرح زندگی گزار رہے ہو۔ ایک دن آئے گا جس کو آخرت کہتے ہیں اُس دن وہ حساب لے گا کہ تم نے اپنی ذمہ داریاں اچھی طرح انجام دی کہ نہیں؟

اسلام ایک عقیدے کی بنیاد پر مکمل نظام حیات دیتا ہے۔ ہم سبھی کو معلوم ہے کہ قرآن میں نماز و عبادات کے بارے میں اتنی تفصیل موجود نہیں ہے جتنی خاندان کے استحکام پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ طلاق، خلع، وراثت، والدین، بہن بھائیوں کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، اولاد کے حقوق وغیرہ بڑی ہی تفصیل سے قرآن میں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمام انسان مل کر رہیں، آپس میں ناچاقی نہ ہو۔

ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ معاشرے کا مزاج کیوں بگڑ گیا ہے؟ اس لیے کہ ہر انسان نفع و نقصان کا ترازو تھامے بیٹھا ہے، ہر فرد نفع خود ہی سمیٹ لینے کی فکر میں ہے اس کا نتیجہ ہے کہ فرائض سے دوری عام ہوگئی ہے۔ خود غرضی کا دور دورہ ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق بھلا دیئے گئے ہیں۔ جب تک یہ صورتحال نہیں بدلتی تمام حق داروں کے حقوق بخیر و خوبی ادا کرنے کا احساس نہیں پیدا ہوگا، معاشرے کی حالت نہیں بدلے گی۔

خاندان کے بکھراؤ کا ایک بڑا سبب مغربی تہذیب کو اپنا لینا ہے۔ ہمارے معاشرے کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو نکاح کی بندش اور خاندان کی تعمیر کو ایک بوجھ سمجھتا ہے اور خاندانی نظام سے آزاد رہ کر زندگی گزارنا چاہتا ہے، چنانچہ

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں ہم جنس پرستی وغیرہ جیسے کلچر تیزی سے فروغ پارہے ہیں۔ آزادی نسواں کے پُر فریب نعرے نے مزید خاندانی نظام کو کھوکھلا کر دیا ہے، چنانچہ عورت مرد کے نکاح میں رہ کر خود کو محکوم سمجھتی ہے۔معاشی دوڑ بھاگ نے زوجین (میاں بیوی) کے درمیان الفت ومحبت کی فضا میں دراڑ ڈال دی ہے۔ دوسری طرف بچے نہ صرف والدین کی بے توجہی کا شکار ہوئے بلکہ اولاد کی پرورش وتربیت کے مسائل نے فیملی پلاننگ کے نظریہ کو بھی فروغ دیا ہے۔ضعیف والدین کی خدمت وقت کا ضیاع سمجھا جانے لگا ہے، چنانچہ والدین اولاد کی شفقت ومحبت سے محروم ہو گئے ہیں۔اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی اپنے دین سے ناواقفیت اور احکام شریعت سے بے توجہی اور گریز کرنا اور مغربی تہذیب کو اس کے نقصانات کو سمجھے بغیر قبول کر لینا ہے۔

ایک گھر بظاہر مٹی اور پتھر سے بنا ہوتا ہے لیکن مکان تو حقیقت میں اس وقت بنتا ہے جب اس میں رہنے والے لوگ ایک دوسرے کو معاف کر دینے اور پُرخلوص دل رکھنے والے ہوں۔

ایک مضبوط گھر کے بنیادی پہلو پر نظر ڈالیں تو سب سے پہلے گھر کا ماحول اور بچوں کی تربیت کی بات سامنے آئے گی، اگر اسے کوئی بحسن وخوبی نبھا سکتا ہے تو وہ 'ماں' ہے۔ماں اس لیے کہ مرد معاشی ذمہ داریوں کی وجہ سے گھر سے باہر رہتا ہے اور عورت گھر کے اندر کی دیکھ ریکھ کرتی ہے جس کی وجہ سے بچہ اُس سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

اگر ایک خاتون خانہ اپنے فرائض صحیح طریقے سے انجام نہ دے تو معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا کیوں کہ عورت ہی قوم کی معمار اور آئندہ نسلوں کی کردار ساز ہے۔

موجودہ دور میں ماؤں کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہے۔میڈیا کے ذریعے ہمارے نوجوانوں کا جو برین واش ہو رہا ہے اُس کو سامنے رکھتے ہوئے ماؤں کو اپنی تربیت میں اسلامی طور طریقوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔یہ تبھی ممکن ہے جب ایک ماں بھی دینی طور پر تربیت یافتہ اور حساس ہوگی۔ہمارا گھرانہ اگر بے راہ روی کا شکار ہو رہا ہے تو محض اس لیے کہ ماؤں نے اپنے کردار کو نظر انداز کر دیا ہے۔تاریخ کی کتابوں کو پلٹ کر دیکھیں تو ماؤں کا اعلیٰ کردار ہی کامیابی کے پیچھے نظر آئے گا۔

اگر آج ماؤں نے اپنی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی ادا کیا تو ملک وملّت کو بہترین افراد مہیا ہوں گے اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ ہوگی اور لاپرواہی کے نتیجے میں یاد رکھیں۔

آغوش صدف جن کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

●●●

(بقیہ صفحہ ۳۱ کا)

بے خوف معاشرہ اور اسکے بیدار افراد ہر لمحہ سماج کی فلاح اور بہبودی کی کوشش میں لگے رہتے ہیں چاہے اس تگ ودو میں اُنکی موت سے ہی ملاقات کیوں نہ ہو جائے۔

موجودہ حالات میں اہمیت

موجودہ حالات کسی تعارف کے محتاج نہیں کہ کس طرح موت کے خوف سے انسانی حقوق و جذبات کی پامالی کا تماشا پوری دنیا کی کھلی آنکھوں کے مشاہدے میں آیا ہے۔جہاں ایک طرف موت کے خوف سے دینی فرائض کی اجتماعی ادائیگی سے دوری برتی گئی وہیں دوسری جانب حرص وہوس میں بنیادی ضروریات کی چیزوں کی بھی منہ مانگی قیمت وصول کی گئی۔ایسے حالات میں ضرورت ہے کہ ایک ایسا گروہ سامنے آئے جو موت کے خوف سے بالاتر ہو کر ایک جانب تو دینی فرائض کی اجتماعی پابندی کا احساس پیدا کرے اور دوسری جانب دنیا میں چل رہی لوٹ کھسوٹ اور آپدہ میں اوسر تلاش کرنے کی جو دوڑ ہو رہی ہے اُس سے سماج کو باز رکھے۔معاشرے میں اس یقین کو پروان چڑھایا جائے کہ دنیا اپنی تمام تر چیزوں کے ساتھ فنا ہو جائیگی اور موت ایک حقیقت کی طرح سامنے آ کر رہے گی۔بس ضرورت ہے کہ معاشرے کا ایک ایک فرد اپنی حقیقی منزل کی طرف نگاہ مرکوز کرے اور وہاں کی تیاری کرے جہاں موت کا کوئی گزر نہیں۔

●●●

ڈر کیسا؟

ابوالفیض اعظمی

ارقم ابھی تک اپنے کمرے میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔گھر والوں نے کئی دفع اسے کھانے پر بلایا لیکن وہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔ اسے اپنے دوست فہیم کے ابو کی موت پر ترس آ رہا تھا۔فہیم کے ابو کے انتقال کا پورا ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔ چاروں طرف کورونا وائرس کے نام پر ہونے والی بے تحاشا اموات سے دہشت کا ماحول تھا۔خنساء کے ابو اور دونوں چچا روز کسی نہ کسی کے جنازے میں شریک ہوتے۔سوشل میڈیا پر ہر وقت آنے والے پیغامات سے بھی لوگ پوری طرح ڈرے ہوئے تھے۔فہیم کے ابو کے انتقال کے بعد بچوں میں بھی ڈر بیٹھ گیا تھا۔اب وہ جلدی اپنے کسی باہر کے ساتھی سے نہیں مل رہے تھے۔گھر میں بھی بہت کم کھیلتے تھے۔دادی جان کے پاس اسی وقت جاتے جب وہ آواز لگاتی تھیں۔

اس خوف زدہ ماحول کا دادی بھی بہت غور سے مشاہدہ کر رہی تھیں ان کے پاس محلے کی جو بھی عورتیں آتیں کسی نہ کسی کے مرنے کا ذکر چھیڑ دیتیں۔دادی ان کی باتوں کو غور سے سنتیں اور انہیں زیادہ سے زیادہ توبہ و استغفار کی ترغیب دیتی تھیں۔دادی جان نے رات میں تمام بچوں کو جمع ہونے کے لیے کہا۔عشاء کی نماز کے بعد جب سارے بچے دادی جان کے پاس پہنچے

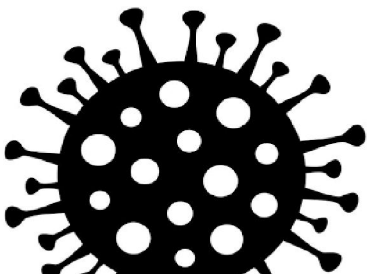

تو اس وقت دادی کچھ گنگنا رہی تھیں۔فوزان نے کہا دادی ہمیں بھی سنائیے۔فوزان کی بات پر وہ مسکرائیں اور یہ شعر سنایا۔

موت برحق ہے تو پھر موت سے ڈرنا کیسا
ایک ہجرت ہی تو ہے نقل مکانی ہی تو ہے

شعر سنتے ہی خنساء نے کہا۔دادی کچھ سمجھ میں نہیں آیا اس کا مطلب بھی بتا دیں۔دادی نے کہا مطلب آخر میں بتاؤں گی۔پہلے تم سب میرے سوال کا جواب دو۔دادی نے پوچھا۔بیٹا یہ بتاؤ کل عبداللہ کی دادی کون سی بیماری کے بارے میں بتا رہی تھیں جس سے لوگ بہت تیزی سے مر رہے ہیں۔خنساء نے کہا۔ہاں دادی وہ کورونا وائرس کے بارے میں بتا رہی تھیں۔دادی نے بچوں کی طرف ایک نگاہ ڈالی پھر سوال کیا۔ ارے وہی جس کا اشتہار موبائل پر آتا ہے"دو گز دوری ماسک ہے ضروری"۔ہاں دادی! ہاں دادی! سب ایک ساتھ بول پڑے۔اس پر دادی مسکرائیں پھر پوچھا بیٹا یہ بتاؤ اس بیماری میں ہوتا کیا ہے؟ خنساء نے جواب دیا۔اس میں تیز بخار ہوتا ہے، کھانسی آتی ہے، سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔مزید بتایا کہ ڈاکٹر کہتے ہیں جن کی قوت مدافعت اچھی ہوگی ان پر اس بیماری کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔

دادی خنساء کی باتیں خاموشی سے سنتی رہیں پھر سوال کیا۔اچھا یہ بتاؤ پہلے کسی کو کھانسی یا بخار نہیں ہوتا تھا؟ مجھے ہی دیکھ لو پچھلے ہفتے تیز بخار آیا اور دو تین دن میں چلا بھی گیا۔دادی جان کے اس سوال پر سارے بچے خاموش رہے۔کچھ دیر کے بعد وہ بتانے لگیں۔پہلے آج کی طرح ہر گاؤں یا محلے میں ڈاکٹر نہیں ہوتے تھے۔گھر کے بڑے بوڑھے جڑی بوٹیوں کا استعمال کرتے تھے وہی دیکھ کر میں نے بھی سیکھا ہے۔

آج کل جس طرح بخار آتا ہے اور سانس پھولنے لگتی ہے ۔بخار میں بلغم کا آنا اور سانس پھولنا یہ عام بات ہے ۔ایسی حالت میں ہم بھاپ لیتے تھے، غرارہ کرتے تھے اور ساتھ میں جڑی بوٹیوں والا کاڑھا پیتے تھے ۔کچھ دنوں میں بخار اتر جاتا تھا اور صحت بھی اچھی رہتی تھی ۔ پہلے کے لوگ اپنے کھیتوں اور گھروں کے علاوہ اپنے پڑوسیوں کا بھی وقت ضرورت پر کام کر دیتے تھے ۔اس سے وہ تندرست رہتے تھے اور قوت مدافعت بھی بہتر ہوتی تھی جو ہر طرح کی بیماری سے لڑ لیتی تھی ۔ اتنا کہنے کے بعد دادی خاموش ہوگئیں ۔خنساء نے دادی سے کہا اب شعر کا مطلب بھی بتا دیں ۔ دادی نے کہا اچھا یہ بتاؤ کیا ہم اس دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے آئے ہیں ۔بچوں نے کہا: نہیں! ہمیں آج نہیں تو کل مرنا ہے ۔اس پر دادی کہنے لگیں جب کہ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ ہمیں ایک نہ ایک دن مرنا ہے ۔جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی مقامات پر فرمایا ”ہر جاندار چیز کو موت کا مزہ چکھنا ہے ۔“تب ہم کیوں موت سے ڈرتے ہیں؟ دادی کچھ دیر خاموش رہیں پھر بولیں ۔اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے اوپر دنیا کی محبت حاوی ہو چکی ہے اور ہم موت سے ڈرنے لگے ہیں ۔دادی نے بچوں سے پوچھا ۔ دنیا کی محبت کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے کیا کہا ہے جانتے ہو؟ بچوں نے کہا ہمیں نہیں معلوم آپ بتا دیں ۔ دادی بتانے لگیں اللہ کے رسولؐ نے ایک حدیث میں فرمایا ”ایک زمانہ تم پر ایسا آئے گا جب تمہارے اوپر دوسری قومیں اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جیسے بھوکے دسترخوان پر ٹوٹتے ہیں ۔صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا اس وقت مسلمان تعداد میں کم ہوں گے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں ۔تم تعداد میں بہت ہوگے لیکن تمہاری حیثیت سمندر میں جھاگ کی طرح ہوگی ۔آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی طرف دیکھا اور کہا جانتے ہو ایسا کیوں ہوگا؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں ۔آپ ﷺ نے کہا اس وقت ہمیں اپنی موت سے نفرت اور دنیا سے محبت ہو جائے گی ۔ دادی نے یہ حدیث سنانے کے بعد سرد آہ بھرتے ہوئے کہا کہ آج ہمارا حال یہی ہے ۔ہم بھی موت سے نفرت کرنے لگے ہیں ۔اس وقت اگر کوئی رشتہ دار بیمار ہوتا ہے تو نہ اس کی عیادت کے لیے جاتے ہیں، نہ ہی کسی کے جنازے میں شریک ہوتے ہیں ۔اگر کوئی اس بیماری سے تڑپ رہا ہو تو اس کی نہ تو ہم مدد کرتے ہیں ۔بس یہی موت کا ڈر جو باطل ہمارے ذہنوں میں بیٹھانا چاہتا ہے ۔اسی خوف میں ہم مبتلا ہیں ۔روز حکمت کے نام پر نئی نئی تاویلیں کرکے خود ہی گمراہ ہوتے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ۔ دادی کچھ دیر سر جھکائے بیٹھی رہیں پھر روہانسی آواز میں بولیں ۔ پیارے بچو! دنیا تو ہمارا عارضی ٹھکانہ ہے ہم جو بھی کام کریں اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ ہمیں آخرت میں جنت اور جہنم کی شکل میں دے گا اور ہمیں جنت تک پہنچنے کے لیے مرنا تو ہوگا جب ہمیں مرنا ہے تو کیوں نہ ہم شہیدوں والی موت کی تمنا کریں نہ کہ اس سے خوف کھائیں ۔ بچے دیر تک دادی جان کی باتیں خاموشی سے سنتے رہے ۔آخر میں دادی نے کہا ۔بچو! آج آپ سب مجھ سے یہ وعدہ کرو ۔کبھی بھی موت سے نہیں گھبراؤ گے ۔اپنے پاس پڑوس، رشتہ داروں کے ساتھ ساتھ دوسرے بیمار کی بھی عیادت کرو گے ۔ان کے جنازے کو کندھا دو گے ۔اللہ تعالیٰ کے علاوہ کبھی بھی کسی سے نہیں ڈرو گے ،شہادت کی موت کی تمنا کرو گے ۔سارے بچوں نے ایک ساتھ کہا انشاء اللہ دادی جان ہم اسی طرح کریں گے ۔

●●●

منتخب اشعار

زندہ رہنا ہے تو حالات سے ڈر کیسا
جنگ لازم ہے تو لشکر نہیں دیکھے جاتے
(معراج فیض آبادی)

کفر کچھ چاہیے اسلام کی عظمت کے لیے
حسن زنا رہے تسبیح سلیمانی کا
(میر تقی میر)

موت برحق ہے تو پھر موت سے ڈرنا کیسا
ایک ہجرت ہی تو ہے نقل مکانی ہی تو ہے
(طارق متین)

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
(علامہ اقبال)

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے
(مرزا شوق لکھنوی)

●●●

عالم برزخ

شیر خالد

الحذر، محکوم کی میت سے سو بار الحذر
اے سرافیل! اے خدائے کائنات! اے جانِ پاک!

شرح: قبر کہتی ہے کہ محکوم و غلام لاش سے میں بار بار اللہ کی پناہ ڈھونڈتی ہوں۔ ہر وقت اللہ کی پناہ مانگو اے قیامت کے روز صور پھونکنے والے فرشتہ تو کہاں ہے۔ جلد صور پھونک تا کہ میری گود اس میت سے خالی ہو جائے۔ اے کائنات کے خدا تو اس مردے سے میری آغوش کو پاک کر دے اور اس کی جگہ کوئی پاک جان میرے سپرد کر۔ کوئی ایسی جان جو غلامی کی آلودگی سے پاک ہو۔

گرچہ برہم ہے قیامت سے نظامِ ہست و بود
ہیں اسی آشوب سے بے پردہ اسرارِ وجود

شرح: اگرچہ قیامت برپا ہونے کے خیال سے دنیا کا نظامِ زندگی و حیات ناراض و رنجیدہ ہے، لیکن اس ہنگامہ سے اس دنیا کے اور اس زندگی کے بھید ظاہر ہو جائیں گے، اور جو کچھ کسی نے اپنی زندگی میں کیا ہے وہ سب کچھ اس کے سامنے آجائے گا اور پرانی زندگی کی جگہ نئی زندگی لے گی۔

زلزلے سے کوہ و در اڑتے ہیں مانند سحاب
زلزلے سے وادیوں میں تازہ چشموں کی نمود

شرح: صدائے غیب نے بھونچال کی مثال دے کر دنیا اور اس کے بعد کی زندگی کی صورت حال سمجھائی ہے اور کہا ہے کہ بھونچال سے جہاں پہاڑ، گھاٹیاں اور آبادیاں تباہ ہو جاتی ہیں اور وہ بادل کے مانند اڑتی نظر آتی ہیں وہاں پہاڑوں سے چشمے بھی پھوٹ پڑتے ہیں اور ان سے ان کے درمیان کے میدان سیراب ہونے لگتے ہیں اور وہ ہرے بھرے ہو جاتے ہیں۔ قیامت بے شک اس کائنات کو جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں برباد کر دیگی لیکن اس سے ایک نئی دنیا، ایک نئے جہاں اور ایک نئی زندگی کا آغاز ہوگا۔

ہر نئی تعمیر کو لازم ہے تخریب تمام
ہے اسی میں مشکلاتِ زندگانی کی کشود

شرح: اصول یہ ہے کہ نئی آبادی کے لئے پرانی آبادی کو بالکل ختم کرنا پڑتا ہے۔ زندگی کی مشکلات کے حل کے لئے اس کائنات کو ایک نہ ایک دن ختم کرنا اور اس کی جگہ ایک نئی کائنات کو جگہ دینا ضروری ہے۔ قیامت برپا ہونے سے انسان کی موجودہ زندگی اور اس کی مشکلات ختم ہو جائیں گی اور اسے اس کی جگہ نئی طرز کی زندگی مل جائے گی، وہ جسے آخرت کی زندگی کہتے ہیں۔

آہ یہ مرگِ دوام، آہ یہ رزمِ حیات
ختم بھی ہوگی کبھی کشمکش کائنات!

شرح: قبر، مردہ اور صدائے غیب کی ساری باتیں سننے کے بعد زمین کہتی ہے کہ افسوس ہے اس موت پر جو ہمیشہ کے لئے ہوگی، جس میں مرکر جی اٹھنے کی بات نہیں ہوگی، جو غلام کی زندگی ہے یعنی مجھے افسوس ہے اس زندگی کی جنگ پر جس میں کوئی شکست کھاتا ہے اور کوئی جیت جاتا ہے۔ دنیا کے اندر یہ جو انسانی تگ و دو کا عمل ہے یہ کسی دن ختم بھی ہوگا یا نہیں ہوگا۔ مراد ہے اس کے خاتمے پر ہی میں مطمئن ہوں گی اور یہ خاتمہ قیامت برپا ہونے پر ہی ہوگا۔

عقل کو ملتی نہیں اپنے بتوں سے نجات
عارف و عامی تمام بندۂ لات و منات

شرح: اس دور میں عشق اور جذبہ مغلوب ہو چکا ہے اور ہر طرف عقل کی حکمرانی نظر آتی ہے۔ ایسی عقل جس نے غیر اللہ اور غیر یقینی کے طرح طرح کے بت تراش رکھے ہیں اور آدمی عام ہو یا خاص ہو، خدا کی معرفت کا دعویٰ کرنے والا ہو یا اس کی پہچان سے غافل ہو، سب اس عقل کے گھڑے ہوئے طرح طرح کے اور رنگ رنگ کے بتوں کے غلام بنے ہوئے ہیں اور اللہ کے غلام کہیں بھی نظر نہیں آتے نتیجہ یہ ہے کہ معاشرے میں ہر طرف شیطنت پھیلی ہوئی ہے۔

خوار ہوا کس قدر آدمِ یزداں صفات
قلب و نظر پر گراں ایسے جہاں کا ثبات

شرح: اس دور میں مغرب کی تہذیب و ثقافت، علم و ہنر اور سیاسی داؤ پیچ کی بنا پر آدمی جو خدا کی صفتوں کا مظہر کہا جاتا ہے، جتنا ذلیل ہوا ہے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ آدم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب اور خلیفہ کے طور پر زمین پر بھیجا تھا۔ اس میں اپنی صفتوں کے اظہار سے اسے جملہ مخلوق کا سردار اور ہر دوسری مخلوق سے افضل بنایا تھا۔ اس نے اپنی شرافت اور بزرگی کو خود ہی روند ڈالا ہے۔ عہد حاضر کا یہ جہان جس میں آدمیت اور انسانیت کی اس حد تک تذلیل ہوئی ہے کہ ایک صاحب عقل و دل والا انسان اسے دیکھ کر شرمسار اور افسوس کرتا ہے۔

•••

یہ امر محال (ناممکن) ہے کہ اللہ تعالیٰ سرگرم عمل لوگوں کے مقابلے میں کاہلوں کی اور متحد و منظم لوگوں کے مقابلے میں ان لوگوں کی مدد فرمائے جو انتشار کا شکار ہوں۔ یہ سنت الٰہی کے خلاف ہے کہ وہ منظم گروہ کے مقابلے میں پراگندہ حال لوگوں کی اور منصوبہ بند لوگوں کے مقابلے میں بے پرواہ لوگوں کا مدد گار ہو یا اپنی ملت کے غم میں فکر مند رہنے والوں کو چھوڑ کر وہ ان لوگوں کی مدد کو پہنچے جنہیں اپنے ذاتی مفاد کے سوا کسی چیز کی فکر دامن گیر نہیں ہوتی۔

اب یہ داعیان حق اور مصلحین کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہمی تعاون کے جذبے سے سرشار ہوکر امت مسلمہ کو اندر سے بدلنے کی حتی المقدور کوشش کریں اور اس کی پوشیدہ و پنہاں ذاتی قوتوں کو پھر سے بروئے کار لائیں تاکہ تلافی ما فات ہوسکے اور امت مسلمہ ترقی یافتہ دنیا کی بہترین چیزیں جذب کرے اور اپنی بہترین چیزوں سے انہیں روشناس کرائے۔

علامہ یوسف القرضاوی۔

RNI Number : MAHURD/2018/7738
Postal Reg No : G/Akl Dn/258/2019-21

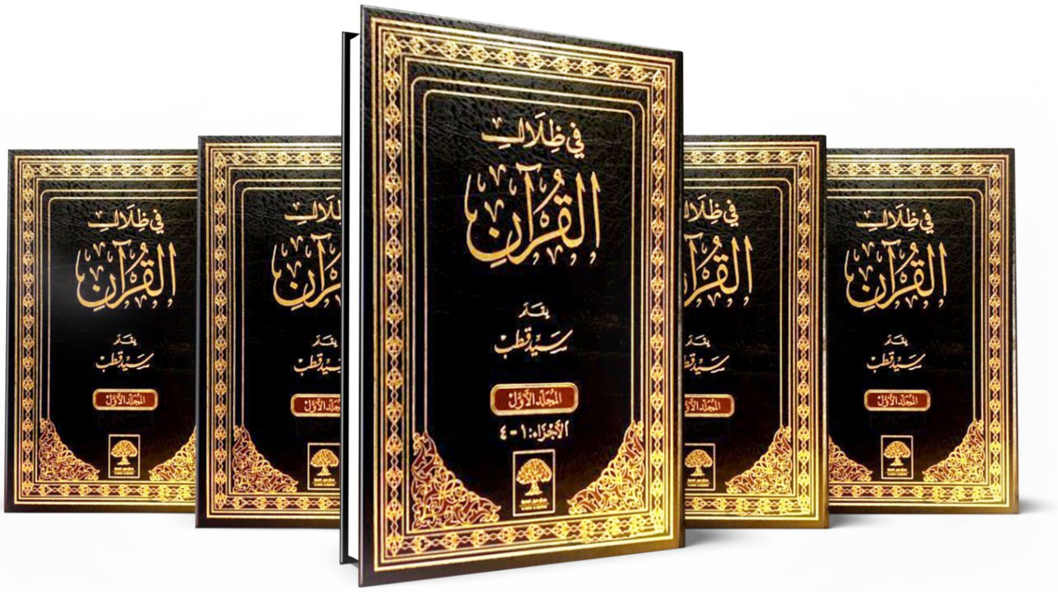

فی ظلال القرآن

مصری عالم دین سید قطبؒ شہید کے ذریعہ زنداں (جیل) میں لکھی جانے والی عربی زبان کی مایاناز تفسیر
کی اردو ترجمانی اپنی اصل روح کے ساتھ بذریعہ مولانا سید حامد علیؒ صاحب / مولانا مسیح الزماں فلاحی ندوی صاحب

اب ان شاء اللہ بہت جلد صرف 10 یا 11 جلدوں میں مزید آرائش و زیبائش کے ساتھ

- شُستہ ، شگفتہ اور عام فہم زبان میں اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر
- علمی ، فکری اور سائنٹفک تفسیر- دعوتی تربیتی اور انقلابی تفسیر- وجدانی اور ادبی تفسیر
- کسی قسم کی الجھن اور پیچیدگی کے بغیر مفاہیم قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے بہترین تفسیر
- اسلامی اجتماعیت کے اصول، طریق کار اور عروج و زوال کے اسباب پر سیر حاصل گفتگو
- اسلامی جماعت کے کارکنان کیلئے بہترین مشعل راہ
- عمدہ کاغذ، بہترین کتابت و طباعت اور پر کشش ٹائٹل

اس انقلاب انگیز تفسیر کا مکمل سیٹ اپنی لائبریری، مسجد اور گھر کیلئے ضرور منگائیں۔

ORDER NOW

اپنا آرڈر بک کرائیں

موبائل 9599693655
ای میل gpddelhi2018@gmail.com

1st Floor, Opp. Basera Apartm
Subbash Chowk, Akola, 44001
0724-243433
nukusherah@gmail.com